غیر مسلم کے ساتھ مختلف
نوعیت کے تعلقات
مصنف
مفتی عبید الرحمن عفی عنہ
دارالافتاء دار العلوم الرحمانیہ مردان
ناشر
مکتبہ الرحمانیہ
جامع مسجد فردوس خان هوتی مردان

پیشِ لفظ

موجودہ دور میں مسلمان اور کافر اقوام کے درمیان فاصلے ختم ہوتے جارہے ہیں اور ایک ہی وطن ومعاشرے کے اندر آپس میں بود وباش کے مواقع سامنے آرہے ہیں جس کی وجہ سے ماضی کی بنسبت آپس میں ربط وتعلق کی نوبت وضرورت بھی زیادہ پیش آجاتی ہے اور ساتھ بہت سی جگہوں میں اپنوں کی سادگی اور غیروں کی عیاری کی وجہ سے نہایت ناگفتہ بہ نتائج بھی ظاہر ہوجاتے ہیں، ان وجوہات کی وجہ سے ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمان اور کفار کے درمیان ربط وتعلق کی مختلف نوعیتیں اور ان کے شرعی احکام ومسائل کو علمی وعملی سطح پر پوری طور پر واضح کیا جائے۔

لیکن اس کے باوجود زیرِ بحث مسئلہ کے حوالہ سے امتِ مسلمہ کا موجودہ روِش نہایت افسوسناک اور اندوہناک ہے، چنانچہ امتِ مرحومہ کے اکثر افراد نے تو اس مسئلہ کو علمی طور پر کوئی اہمیت دی، نہ ہی عملی زندگی میں اس کو کوئی جگہ دی، قرآن وسنت کی تصریحات کے برخلاف کئی خوش فہمیوں اور بہت سے لوگ احساس کمتری کی دلدل میں کچھ یوں پھنس چکے ہیں کہ اب ان کے لئے اس مسئلہ کی توضیح وتشریح کرنا بلکہ اس کو اسلامی حکم کا درجہ دینا ہی خواہ مخواہ شرم وحیاء کا موجب بن جاتا ہے، امت کے ایک مختصر سے طبقہ میں اس مسئلہ کی اہمیت اگرچہ ضرور برقرار ہے لیکن کچھ غلط فہمیوں کی وجہ سے یہاں بھی بہت سے افراد کی طرف سے افراط وتفریط کے مظاہر سامنے آتے رہتے ہیں، اس لئے اس مسئلہ کی واقعی اہمیت اور اس کے شرعی حدود وقیود کو واضح کرنا ضروری معلوم ہوا اور اسی جذبہ کے تحت یہ چند اوراق پیشِ خدمت ہیں۔

فہرست کتاب کے آخر میں

تحریر کے درمیان ارادہ ہوا کہ کفار کے حقوق کو بھی مفصل اور مستقل طور پر اس میں شامل کر لیا جائے لیکن پھر خیال ہوا کہ تحریر کی موجودہ ترتیب سے خود بخود حقوق کا پہلو بھی ان شاء اللہ واضح ہو جائے گا، مستقل طور پر ذکر کرنے سے تحریر کی ضخامت زیادہ ہو جائے گی اس لئے فی الحال یہ ارادہ ترک کیا گیا، اب یہ تحریر ایک مقدمہ اور چار فصول پر مشتمل ہے۔

اس تحریر میں کافی حد تک کوشش کی گئی کہ کوئی بھی مسئلہ سطحیت یا جذباتیت کی نذر نہ ہو جائے بلکہ اصل شرعی حکم کو سہل انداز میں ذکر کر دیا جائے اسی جذبہ کے تحت کئی ساتھیوں سے درخواست کی کہ وہ اس کا تحقیقی و تنقیدی انداز میں مطالعہ فرمائیں اور کسی قسم کی کوئی غلطی ہو تو اس کی نشاندہی فرمائیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے کافی گہرائی سے اس کا مطالعہ کیا اور جگہ جگہ مفید تجاویز سے بھی نوازا، لیکن اس کے باوجود اگر تحریر میں کوئی سقم ہو یا مزید ترمیم و اضافہ کی ضرورت محسوس ہو تو ضرور اس سے مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ طباعت میں اس کا خیال رکھا جائے۔

بندہ عبید الرحمٰن

دار الافتاء دار العلوم الرحمانیہ، مردان

۸ شوال ۴۰ھ

مقدمہ

قرآن وسنت کی روشنی میں مسئلہ کی اہمیت اور اس کی توضیح

قرآن وسنت کے بیسیوں نصوص میں یہود ونصاریٰ وغیرہ کفار کے ساتھ محبت کرنے اور ان کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے، ذیل میں چند ایک نصوص پیش کی جاتی ہیں:

پہلی آیت:

{ لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ} [آل عمران : ۲۸]

ترجمہ: مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کو (ظاہرا یا باطنا) دوست نہ بناویں۔ مسلمانوں (کی دوستی) سے تجاوز کرکے۔اور جو شخص ایسا (کام) کرے گا سو وہ شخص اللہ کے ساتھ (دوستی رکھنے کے) کسی شمار میں نہیں مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو۔اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی ذات سے ڈراتا ہے اور خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔(بیان القرآن)

مسلمان سے ہٹ کر کفار کو دوست بنانے کی ایک صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ بالکل دوستی نہ رکھی جائے اس کے بجائے کفار ہی کو دوست بنایا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کفار سے بھی دوستی نبھائی جائے، شرعاً یہ دونوں صورتیں ممنوع اور ناجائز ہیں۔

پھر "مومنین" اور "کافرین" کے الفاظ سے اس بات کی طرف بھی اشارہ

ہو جاتا ہے کہ اس حکم کی اصل علت ایمان و کفر کا باہمی تضاد اور دونوں مفاہیم کے درمیان موجودہ کشمکش ہے جب کفر وایمان آپس میں ضدین ہے ان کے درمیان کوئی توافق اور صلح نہیں ہو سکتا تو مسلمان اور کافر کے درمیان کیونکر دوستی نبھ سکتی ہے؟

دوسری آیت:

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ} [المائدة : ٥١]

ترجمہ: اے ایمان والو تم یہود اور نصاریٰ کو دوست مت بناناوہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرے گا بیشک وہ ان ہی میں سے ہو گا۔یقیناًاللہ تعالیٰ سمجھ نہیں دیتے ان لوگوں کو جو اپنا نقصان کر رہے ہیں۔(بیان القرآن)

ان جیسی آیات میں یہود و نصاری کے الفاظ سے ان کی تخصیص مقصود نہیں ہے بلکہ چونکہ ممانعت کا اصل عنصر کفر ہے اس لئے تمام کفار کے ساتھ دوستی اور موالات کا بھی یہی حکم ہے چنانچہ دیگر بہت سی آیات میں "کافرین" کے عمومی لفظ کے ساتھ بھی یہی حکم دیا گیا۔

تیسری آیت:

{ تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ (٨٠) وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَاسِقُونَ } [المائدة : ٧٩ - ٨١]

ترجمہ: آپ ان میں بہت آدمی دیکھیں گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں۔ جو کام انہوں نے آگے کے لیے کیا ہے وہ بیشک برا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناخوش ہوا اور یہ لوگ عذاب میں دائم رہیں گے۔ اور اگر یہ لوگ اللہ پر ایمان رکھتے اور پیغمبر پر اور اس (کتاب) پر جو ان کے پاس بھیجی گئی تھی تو ان کو کبھی دوست نہ بناتے لیکن ان میں زیادہ لوگ ایمان سے خارج ہی ہیں۔ (بیان القرآن)

پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ دوستی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور جہنم کے عذاب کا سبب ہے، یہ بھی واضح ہوا کہ کفار کے ساتھ دوستی نہ کرنے اور ان سے دور رہنے کا حکم صرف امتِ محمدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ) ہی کو نہیں دیا گیا بلکہ اس سے پہلے بنی اسرائیل کو بھی یہ حکم ملا تھا، پھر دیگر کئی احکامِ خداوندی کی طرح اس حکم پر بھی انہوں نے عمل نہیں کیا اور یوں وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب وغضب کے مستحق ٹھہریں۔

دوسری آیت میں شرط وجزاء کے استعمال کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان اور کافر کے ساتھ دوستی، ان دونوں باتوں میں کھلا تضاد اور واضح منافات ہے، یہ دونوں چیزیں ایک جگہ نہیں ہو سکتیں، لہٰذا ایک کامل مسلمان شخص کفار کے ساتھ الفت ودوستی کا تعلق نہیں نبھا سکتا اگر کہیں ایسا کوئی منظر دیکھنے میں آئے تو اس کی وجہ فسق یعنی ضعفِ ایمان ہوگا۔

چوتھی آیت:

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ} [التوبة : ٢٣]

اے ایمان والو اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو (اپنا) رفیق مت بناؤا گر وہ لوگ کفر کو بمقابلہ ایمان کے (ایسا) عزیز رکھیں (کہ ان کے ایمان لانے کی امید نہ رہے)۔ اور جو شخص تم میں سے ان کے ساتھ رفاقت رکھے گا سو ایسے لوگ بڑے نافرمان ہیں۔ (بیان القرآن)

بھائی اور باپ، یہ دونوں نہایت قریب رشتہ دار ہوتے ہیں، اگر یہ رشتہ دار بھی کفر پر مر مٹنے والے اور اس کو ترجیح دینے والے ہیں تو اس آیت میں ان کو بھی عزیز رکھنے ، ان کے ساتھ موالات کرنے سے منع فرمایا گیا ، اور موالات کرنے والے کو ظالم قرار دیکر اس کی مزید شناعت اور قباحت کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ کوئی مشورہ یا نہی تنزیہی نہیں ہے بلکہ مسلمان کے لئے ان سے موالات رکھنا بالکل ناجائز اور ظلم کے مترادف ہے۔[1]

پانچویں آیت:

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي

---

[1] ملاحظہ فرمائیں: مفاتیح الغیب، سورۃ التوبۃ، ج16ص17.

سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ} [الممتحنة : ١]

اے ایمان والو تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ کہ ان سے دوستی کا اظہار کرنے لگو۔ حالانکہ تمہارے پاس جو دین حق آچکا ہے وہ اس کے منکر ہیں رسول کو اور تم کو اس بنا پر کہ تم اپنے پروردگار اللہ پر ایمان لے آئے شہر بدر کر چکے ہیں اگر تم میرے رستہ پر جہاد کرنے کی غرض سے اور میری رضامندی ڈھونڈنے کی غرض سے (اپنے گھروں سے) نکلے ہو تم ان سے چپکے چپکے دوستی کی باتیں کرتے ہو۔ حالانکہ مجھ کو سب چیزوں کا خوب علم ہے تم جو کچھ چھپا کر کرتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔ اور (آگے اس پر وعید ہے کہ) جو شخص تم میں سے ایسا کریگا وہ راہ راست سے بھٹکے گا۔ (بیان القرآن)

معلوم ہوا کہ کافر اور مسلمان کے درمیان کفر واسلام جیسے واضح منافات کے بعد حقیقی معنی میں دوستی ممکن نہیں، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ دوستی موالات رکھنا، ان سے محبت رکھنا، مسلمان کے اہم خفیہ رازوں سے ان کو خبر دار کرنا، یہ تمام امور سیدھی راہِ حق سے گمراہ ہو جانے کے ذرائع ہیں۔

چھٹی آیت:

{قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ} [الممتحنة : ٤]

تمہارے لیے ابراہیم (علیہ السلام) میں اور ان لوگوں میں جو کہ ا(ایمان اور

اطاعت میں)ان کے شریک حال تھے ایک عمدہ نمونہ ہے۔ جبکہ ان سب نے اپنی قوم سے کہہ دیا کہ ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض (زیادہ) ظاہر ہو گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ (بیان القرآن)

معلوم ہوا کہ کفر وایمان اور کافر ومسلمان کے درمیان بغض وعداوت بالکل واضح وظاہر چیز ہے، اور اس عداوت کی وجہ کوئی ملکی جنگ یا اس کے علاوہ کچھ دنیاوی اغراض ومقاصد نہیں ہیں بلکہ کفر وایمان کا مفہوم اور بنیادی خدوخال ہی ایسے عناصر ہیں جن کے درمیان مصالحت وموافقت ممکن نہیں ہے، نیز یہ بھی واضح ہوا کہ اس عداوت کے ختم ہونے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ کافر ایمان لائے، اگر وہ ایمان قبول کرلیتا ہے تو نفرت وعداوت کی بنیاد ہی منہدم ہو جائے گی، یہ بھی معلوم ہوا کہ بغض وعداوت کا یہ تعلق کافر کے ذاتی حیثیت کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اس کی ایک غلط صفت یعنی "کفر" کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا، لہٰذا اگر وہ ایمان قبول کرے تو اس کے حق میں یہ حکم باقی نہیں رہے گا۔

ساتویں آیت:

{يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ} [الممتحنة: ۱۳]

اے ایمان والو ان لوگوں سے (بھی) دوستی مت کرو جن پر اللہ تعالیٰ نے غضب فرمایا ہے کہ وہ آخرت (کے خیر وثواب) سے ایسے ناامید ہو گئے ہیں جیسے کفار جو قبروں میں (مدفون) ہیں ناامید ہیں۔ (بیان القرآن)

آیت کریمہ کا اصل منشا تو کفار کے ساتھ موالات کی ممانعت ہے لیکن "غضب اللہ" کے لفظ سے اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ غضبِ الٰہی کے مورد بن جانے کے باوجود ان سے موالات اور دوستی کا تعلق رکھنا خود اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی اور اس کے غضب پڑنے کا ذریعہ ہے، اور یہ بالکل عقل و مشاہدہ کی بات ہے کہ حقیقی دوست کے دشمن سے کوئی دوستی نہیں لگاتا نہ ہی اس سے پیار و محبت کی فضاء برقرار رکھتا ہے لہٰذا جب کافر اپنے کفر و نافرمانی کی وجہ سے غضبِ الٰہی کا مستحق ٹھہرا تو اب ان سے موالات رکھنا نہایت خطرناک اور گویا اللہ تعالیٰ کی محبت سے نکلنے اور اس کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔

آٹھویں آیت

{لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ [المجادلة : ۲۲]

"جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں گو وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبہ ہی کیوں نہ ہوں۔"

اس آیت کریمہ میں "قوماً" کو نفی کے بعد نکرہ ذکر کر کے بڑے عموم کے ساتھ یہ بات ارشاد فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر درست ایمان لانے والے خوش نصیب افراد خدا کے دشمنوں سے محبت رکھ نہیں سکتے، یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے اس طور پر متضاد ہیں کہ تلاش کرنے کے باوجود دونوں کو یکجا پانا مشکل ہے، لہٰذا کفار، جو یقیناً خدا کے دشمن ہیں، سے محبت رکھنا ایمان کے تقاضا کے خلاف

ہےاور کامیاب "حزب اللہ" وہی ہے جواپنے دلوں میں ان دشمنان خدا کی محبت ومودت نہیں رکھتے خواہ وہ معاشرتی لحاظ سے کتنا ہی قریب کیوں نہ ہو، خدائی احکام اور ایمانی تقاضا کو معاشرتی وخاندانی جذبات پر مقدم رکھنا ضروری ہے۔

اس آیت کی تفسیر میں مشہور مفسر علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

أخبر أن إيمان المؤمنين يفسد بموادة الكافرين وأن من كان مؤمنا لا يوالي من كفر، وإن كان من عشيرته.[1]

موضوع سے متعلق چند احادیث:

حضور ﷺ نے اپنے قول و عمل سے اس مسئلہ کی خوب وضاحت فرمائی، چنانچہ کئی روایات میں مسلمانوں کو اس بات سے منع فرمایا گیا کہ یہود ونصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل کریں، اگر کہیں راستہ میں سامنا کرنا پڑ جائے تو بھی مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ راستے کے صحیح اور کشادہ سمت پر چلے تاکہ کافر عملی طور پر خود بخود تنگ سمت کے چلنے پر مجبور ہو جائے۔

صحیحِ مسلم کی روایت ہے:

عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا تبدءوا اليهود ولا النصارى بالسلام، فإذا لقيتم أحدهم في طريق فاضطروه إلى أضيقه[2].

---

1 تفسیر البغوي، ج5ص50.

2 صحیح مسلم، رقم الحدیث:2167.

"یہودی وعیسائی کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو، پھر جب ان میں سے کسی سے ملو تو ان کو راستہ کے تنگ جانب چلنے پر مجبور کرو۔"

سلام دراصل اکرام و تعظیم اور دعاءِ خیر ہے اس لئے اس کو منع فرمایا گیا اسی طرح راستہ میں جگہ دینا بھی تعظیم واحترام کی بات ہے۔

آپ ﷺ نے اس بات سے بھی منع فرمایا کہ کوئی مسلمان کفار کے اندر رہ کر زندگی گزارے اور اس بات پر متنبہ فرمایا کہ مسلمان کفار سے کم از کم اتنا دور رہا کرے کہ ایک جگہ کی آگ دوسری جگہ سے نظر نہ آسکے جیسا کہ عرب کا دستور تھا کہ آبادی کے باہر رات کو آگ جلا کر رکھتے تھے تاکہ کسی مہمان وغیرہ کا سہارا بن سکے۔

سننِ ترمذی کی روایت میں ہے:

عن جرير بن عبد الله، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث سرية إلى خثعم فاعتصم ناس بالسجود، فأسرع فيهم القتل، فبلغ ذلك النبي صلى الله عليه وسلم فأمر لهم بنصف العقل وقال: أنا بريء من كل مسلم يقيم بين أظهر المشركين. قالوا: يا رسول الله، ولم؟ قال: لا تراءى ناراهما.[1]

"میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہے، صحابہ کرام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: کیوں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک دوسرے کی آگ نہ دکھائی دے۔"

---

[1] سنن الترمذي ت بشار، رقم الحديث: 1604.

عرب کے اس دستور کے مطابق اس حدیث مبارکہ کا مقصد یہ ہوا کہ مسلمان کفار کی آبادی سے اتنا دور رہے کہ دونوں جگہوں کے درمیان کوئی خاص ربط و تعلق نہ ہو۔

اس کی مزید اتنی مذمت فرمائی کہ جو کوئی ان کے درمیان سکونت اختیار کرے گا وہ انہی میں سے شمار ہوگا۔

روى سمرة بن جندب، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تساكنوا المشركين، ولا تجامعوهم، فمن ساكنهم أو جامعهم فهو مثلهم.[1]

"حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مشرکین کے ساتھ سکونت اختیار نہ کرو، نہ ان کے ساتھ مل کر رہو، جو کوئی ان کے ساتھ رہے گا وہ انہی کی طرح ہوگا۔"

ان جیسی تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے ساتھ دوستی، پیار و محبت کے تعلقات اختیار کرنا ممنوع ہے۔

موضوع سے متعلق مزید چند روایات اور ائمہ فقہاء و محدثین کی آراء

ایمان کی مضبوط ترین کڑی

متعدد احادیثِ مبارکہ میں یہ مضمون وارد ہے کہ اسلام و ایمان کی ایک نہایت مضبوط کڑی اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت رکھنا اور اسی کی خاطر بغض رکھنا بھی ہے، یہ ایک ایسی نیکی ہے جس کے بغیر دینِ اسلام اور اس کے طاعات و عبادات کی

---

[1] سنن الترمذي ت بشار، باب ماجاء في كراهية المقام بين أظهر المشركين.

لذت نصیب نہیں ہو سکتی،اور کسی مسلمان کا دین وایمان تبھی کامل ہو سکتا ہے جب کہ اس کی محبت وبغض صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کے تابع ہو کر رہے، اللہ ہی کی خاطر کسی سے محبت کا تعلق جوڑا جائے اور اللہ ہی کی خاطر توڑا جائے۔

سننِ ابی داؤد کی روایت ہے:

عن أبي أمامة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: من أحب لله، وأبغض لله، وأعطى لله، ومنع لله فقد استكمل الإيمان.[1]

"حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو اللہ کے واسطے محبت رکھے، اللہ کے واسطے بغض رکھے، اللہ کے واسطے کچھ دے، اللہ کے واسطے کچھ نہ دے تو بلاشبہ اس کا ایمان کامل ہوا۔"

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

عن ابن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أوثق عرى الإيمان الحب في الله والبغض في الله.[2]

"ایمان کی سب سے بڑی کھڑی اللہ کی رضا کے لیے محبت اور بغض ہے۔"

کفار سے دوستی وموالات بڑے فتنہ وفساد کا ذریعہ: امام ابن کثیر

امام ابن کثیر رحمہ اللہ سورۃ انفال کے ایک آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ہی دوستی وموالات کے تعلقات محدود رکھنا چاہیئے، ایک مسلمان کا اپنے مسلمان بھائیوں کے بجائے کفار

---

1 سنن أبي داود، باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه، رقم الحديث: 4681.

2 مصنف ابن أبي شيبة، رقم الحديث: 30443، ج6 ص172.

سے دوستیاں لگانا ایک بڑا فتنہ ہے اور یہ روِش زمین میں بڑے فتنہ وفساد کا موجب ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{ وَالَّـذِينَ كَفَـرُوا بَعْضُـهُمْ أَوْلِيَـاءُ بَعْـضٍ إِلَّا تَفْعَلُـوهُ تَكُـنْ فِتْنَـةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ } [الأنفال: ٧٣]

اور جو لوگ کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے وارث ہیں۔اگر اس(حکم مذکور) پر عمل نہ کروگے تو دنیامیں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا۔

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

ومعنى قوله تعالى: {إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد كبير} أي: إن لم تجانبوا المشركين وتوالوا المؤمنين، وإلا وقعت الفتنة في الناس، وهو التباس الأمر، واختلاط المؤمن بالكافر، فيقع بين الناس فساد منتشر طويل عريض.[1]

"باری تعالیٰ کے اس ارشاد(اگر اس پر عمل نہ کروگے تو دنیا میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیلے گا) کا معنی یہ ہے اگر تم کفار سے کنارہ کشی اور مسلمانوں سے باہمی دوستی نہ کرو تو لوگ آزمائش میں پڑ جائیں گے وہ آزمائش (دین کے) کام کا بگڑ جانا مسلمان اور کافر اور مسلمان کا باہم گل مل جانا ہے جس کی وجہ سے لوگوں کے درمیان ایک وسیع و عریض (بڑا) فساد واقع ہوگا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ت سلامة، سورة الأنفال، ج4ص98.

ظالم و کافر سے نفرت اہلِ سنت کا عقیدہ ہے

امام طحاوی رحمہ اللہ نے امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور خود اپنے عقائد کے متعلق ایک مختصر سا جامع متن تیار فرمایا جس کے تقریباً تمام مندرجات پر اس وقت سے لیکر آج تک تمام اہلِ حق کا اتفاق چلا آرہا ہے، اس متنِ متین میں اس عقیدے کو بھی درج فرمایا ہے کہ:

ونحبّ أهل العدل والأمانة ونبغض أهل الجور والخيانة.[1]

"ہم عدل وامانت والوں کے ساتھ محبت رکھتے ہیں اور ظلم اور خیانت کرنے والوں سے بغض رکھتے ہیں۔"

جور و ظلم اور خیانت کا ایک بہت بڑا اور صاف واضح مظہر کفر اختیار کرنا ہے، متقدمین کے عقائد اور وہ بھی اس جیسے مختصر سے متن میں اس مسئلہ کو شامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں اس مسئلہ کی کس قدر اہمیت تھی کہ ضروری عقائد کے باب میں اس کو درج فرمایا۔

ظالم و فاسق لوگوں کی محبت کبیرہ گناہ ہے

گناہوں اور کبائر کے موضوع پر لکھنے والے اہلِ علم ظالم اور فاسق لوگوں کی محبت کو بھی کبائر کی فہرست میں شامل فرماتے رہے ہیں، اس موضوع پر زیادہ جامع کتاب علامہ ابنِ حجر ہیثمی رحمہ اللہ کی ہے آپ نے "الزواجر عن اقتراف الکبائر" کے نام سے ایک بڑی ضخیم کتاب تالیف فرمائی جس میں آپ نے فقہی ابواب

---

[1] متن الطحاویۃ، ص:16.

کی ترتیب پر انسان کے ظاہر و باطن سے متعلق تقریباً ٤٦٧ کبیرہ گناہوں کا تذکرہ فرمایا ہے، اس میں گناہ کبیرہ نمبر ٥٥، ٥٤ پر آپ نے ظالم وفاسق لوگوں کے ساتھ محبت، اور نیک لوگوں سے بغض وعناد کو ذکر فرمایا۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

الكبيرة الرابعة والخامسة والخمسون: محبة الظلمة أو الفسقة بأي نوع كان فسقهم، وبغض الصالحين.[1]

"چوّن اور پچپن واں کبیرہ گناہ: ظالم اور کسی قسم فسق میں مبتلا فاسق لوگوں سے محبت اور نیک لوگوں سے بغض رکھنا ہے۔"

اس کے بعد آپ نے اس موضوع سے متعلق روایات اور کچھ مفید تشریحات ذکر فرمائے ہے، تفصیل کے لئے اصل کتاب کی طرف مراجعت فرمائی جائے۔

علامہ ہیثمی رحمہ اللہ کے بعد گناہوں اور آفات کے موضوع پر شاید سب سے زیادہ مستند اور دقیق خدمت علامہ بِرکوی رحمہ اللہ کی ہے، آپ نے "الطريقة المحمدية" کے نام سے ایک کتاب تحریر فرمائی اور ہر ہر عضو سے متعلقہ گناہوں اور آفات کی فہرست لکھی اور ساتھ ان کے دلائل اور فقہی نقطہ نظر سے حدود و قیود بھی ذکر کئے جو آپ کی علمی گہرائی اور ٹھیٹھ فقہی مزاج کا مظہر ہے، اس کتاب میں دل سے متعلق گناہوں کی فہرست میں آفت نمبر ٤١ پر آپ تحریر فرماتے ہیں:

الحادي والأربعون حب الفسقة والركون إلى الظلمة:

---

[1] الزواجر عن اقتراف الکبائر، ج1 ص183.

قال الله تعالى [ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار]. أخرج أبو داود: عن بريدة رضي الله تعالى عنه أن رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم : قال لا تقولوا للمنافق سيد فإنه إن يك سيدا فقد أسخطتم الله وضده البغض في الله تعالى لكل عاص لعصيانه. لا سيما المبتدعين والظلمة لكون معصيتهم متعدّية ، فلا بدّ منْ إظهار البغض لهم، إنْ لم يخفْ بخلاف غيرهما من العصاة.[1]

"باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے : "اور (اے مسلمانو) ان ظالموں کی طرف مت جھک جاؤ کہ کہیں تم کو دوزخ کی آگ لگ جاوے" حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: منافق کو سردار مت کہو، کیونکہ اگروہ واقعی سردار بنا تو بے شک تم نے اللہ کو ناراض کیا، اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے ہر نافرمان سے اس کی نافرمانی کی وجہ سے بغض رکھنا خصوصا بدعتی اور ظالم لوگوں سے کیونکہ ان کی گناہ کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہے لہذا (عام حالات میں) جب ان کی طرف سے کوئی خوف نہ ہو ان سے بغض کا اظہار کرنا ضروری ہے بخلاف دیگر نافرمان لوگوں کے۔"

اس سے معلوم ہوا کہ متعدی منکرات کے ارتکاب کرنے والے کے ساتھ صرف دلی بغض رکھنا کافی نہیں، بلکہ ضرورت کے وقت (حکمت و مصلحت کے ساتھ) اس کا اظہار بھی ضروری ہے، البتہ اگر کہیں دینی مصلحت کے پیشِ نظر اظہار نہ کرنے کی نوبت آجائے تو بھی اس کی اجازت ہے جیسا کہ مدارات کے ضمن میں ان شاءاللہ ذکر کر دیا جائے گا۔

---

[1] الطریقۃ المحمدیۃ، ص318. المکتبۃ الحقانیۃ بشاور.

کفار کے ساتھ تعلقات کی مختلف نوعیتیں اور ان کے شرعی احکام

یہ اس مسئلہ کے متعلق چند ایک نصوص ہیں، ان میں مختلف و متنوّع انداز سے کفار کے ساتھ محبت رکھنے اور ان کے ساتھ دوستی کا تعلق رکھنے سے ممانعت کی گئی ہے بعض نصوص میں تو صراحۃً نہی فرمائی گئی، بعض میں اس فعل کی مذمت کی گئی، بعض میں یہ بتایا گیا کہ جو کفار سے ایسا تعلق رکھے گا وہ انہی میں سے شمار ہوگا وغیرہ وغیرہ۔ اصولی لحاظ سے یہ سب اسالیبِ نہی ہے جس کے ساتھ کسی کام سے روکنا مقصود ہوتا ہے، انہی جیسے نصوص کی وجہ سے اس امت کے سلفِ صالحین، ائمہ معتبرین اور فقہاء و محدثین نے کفار کے ساتھ مودت و موالات کو ناجائز قرار دیا اور اس کو ایک حکم شرعی سمجھ کر خود اپنی حد تک بھی اس پر بھرپور عمل کیا اور جب کہیں اس میں کوتاہی برتی گئی تو بروقت تنبیہ و تبلیغ کی ذمہ داری ادا کر کے اس کی اصلاح بھی فرمائی، اس کے ساتھ ساتھ اپنی کتابوں میں بھی اس کو علمی و فقہی مسئلہ کی طرح اہمیت دیدی، اس لئے اجمالی طور پر تو یہ مسئلہ تقریباً اتفاقی اور واضح ہے۔

تاہم کفار کے ساتھ تمام قسم کے روابط و تعلقات بالاتفاق ممنوع نہیں، نہ ہی ہر قسم کا تعلق جائز ہے، بلکہ تعلق کی مختلف نوعیتیں ہیں جن میں سے بعض جائز اور بعض ناجائز، اور جو ناجائز ہے ان کے بھی مختلف مدارج و مراتب ہیں، بعض ان میں سے موجبِ کفر ہے اور بعض قسم کے تعلقات ایسے ہیں کہ وہ ممنوع و ناجائز تو

ہے لیکن محض اس کی بنیاد پر کسی کو کافر نہیں قرار دیا جاسکتا، اسی طرح جو تعلقات جائز ہیں، ان کے لئے کچھ شرائط و ضوابط ہیں، اب کس تعلق کا کیا حکم ہے؟

آسانی اور سہولت کی غرض سے تعلقات کو مندرجہ ذیل عناوین میں تقسیم کیا جاتا ہے:

فصلِ اول مذہبی تعلقات۔

فصل دوم معاشرتی اور سماجی نوعیت کے تعلقات۔

فصل سوم معاشی اور تجارتی نوعیت کے تعلقات۔

فصل اول: مذہبی تعلقات

کافر کے متعلق کیا خیال رکھا جائے

دینِ اسلام کے طلوع ہوتے ہی سابقہ تمام ادیان ومذاہب منسوخ ہوگئے، وہ اگرچہ اپنے اصل کے لحاظ سے آسمانی مذاہب تھے لیکن ایک خاص وقت تک کے لئے، دینِ اسلام کے آجانے سے دیگر سب ادیان کا زمانہ ختم ہوا اور اب اللہ تعالیٰ کی رضاء وتقرب کا یہی ایک راستہ متعین ہوا اسی طرح آخرت کی بھلائی وکامیابی کا یہی واحد سفینہ نجات ٹھہرا، اگر کوئی دل وجان سے دینِ اسلام کو قبول کرلیتا ہے تو آخرت کے لحاظ سے وہ کامیاب وکامران ہے اور جو اطلاع پانے کے باوجود اس سے اعراض کرے اور اس کو قبول نہ کرے، وہ ناکام اور جہنم کے مستحق ہیں۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ} [آل عمران : ۸۵]

"اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ اس سے مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا" (بیان القرآن)

علامہ بغوی رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ:

لقد جئتكم بها بيضاء نقية، ولو كان موسى حيا ما وسعه إلا

اتباعي.[1]

"بے شک میں تمہاری پاس واضح شریعت لے کرآیاہوں اگرحضرت موسی علی نبیہ ناوعلیہ الصلاۃ والسلام زندہ ہوتے توانہیں بھی بجزمیری تابعداری کے کچھ گنجائش نہ ہوتی۔"

لہٰذا کفار کے بارے میں یہی خیال رکھنا لازم ہے کہ وہ گمراہی اور بڑی غلطی میں مبتلاہےاورا گراسی حالت میں موت واقع ہوئی تو جہنم کا مستحق ہوگا،وہ اپنے مذہب سے کتناہی مخلص کیوں نہ ہو مگراسلام کی دعوت پہنچنے کے بعداسی کو قبول کرنا ضروری ہے اس کے بغیر آخرت میں نجات نہیں مل سکتی،اسی طرح ظاہری اعمال وکردار میں کوئی کافر خواہ کتناہی صاف اور نیکوکار دکھائی دے مگر روحِ ایمان کے بغیر اس کے اعمال جسم بے جان کے مترادف ہے جس کا آخرت میں کوئی فائدہ نہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کتاب "الفقہ الابسط" میں ہے:

قلت إن قال قائل لا اعرف الكافر كافرا. قال هو مثله قلت فإن قال لا أدري اين مصير الكافر قال هو جاحد لكتاب الله تعالى وهو كافر.[2]

"میں نے پوچھا کہ اگرکوئی کہے کہ میں کافرکو کافر نہیں سمجھتا(تو اس کا کیاحکم ہے؟)فرمایاکہ وہ بھی ان کی طرح (کافر) ہے،میں نے پوچھا:اگرکوئی کہے مجھے کفار کاٹھکانے کاپتہ نہیں فرمایا:ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب کامنکراور کافرہے۔"

علامہ قاضی بیاضی رحمہ اللہ نےاس کے بعد مزید لکھاکہ:

---

[1] شرح السنة للبغوي، باب حديث أهل الكتاب، ج1ص270.

[2] الفقه الأبسط- (1 / 113)

"منْ لمْ يُنزّل الكفّارَ منزلتَهم منَ النّار فهو مثلهم".[1]

"جو کفار کو ان کے مقام و مرتبہ میں نہ رکھے یعنی ان کے جہنمی ہونے (کا عقیدہ) نہ رکھے وہ انہیں کی طرح ہے۔"

وحدتِ ادیان کا نظریہ

قرآن وسنت کے بے شمار نصوص سے یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ دینِ اسلام کے طلوع ہو جانے کے بعد اس کے علاوہ کسی بھی دین وملت کو حق اور لائقِ اتباع سمجھنا قطعاً غلط اور بالکل حرام ہے اسی طرح آخرت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات پانے کے لئے صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا بالکل کافی نہیں ہے بلکہ ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ کی صداقت ورسالت اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دینِ متین کی تصدیق بھی لازم ہے ،اگر ایمان واسلام کی دعوت پہنچنے کے باوجود کوئی یہودی یا نصرانی اس کو قبول نہ کرے تو وہ اپنے دین ومذہب کے ساتھ خواہ کتنا ہی مخلص وہمدرد کیوں نہ ہو، لیکن ہے وہ کافر اور مستحقِ جہنم۔

۱۸اء صدی میں یہودی منصوبہ بندی کے ساتھ "وحدتِ ادیان" کا فلسفہ وضع کیا گیا جس کا بنیادی منشور ہی یہی بتایا گیا کہ اسلام،یہودیت، نصرانیت اور ہندو مت وغیرہ تمام ادیان برحق ہیں اور سب اس لائق ہیں کہ اس کی اتّباع کی جائے اس لئے ان میں سے کسی خاص دین قبول کرنے پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاسکتا بلکہ پوری انسانیت کو اختیار ہے کہ جو چاہے دین اختیار کریں، شیخ جمال الدین افغانی وغیرہ بہت

---

[1] الاصول المنیفۃ، ص19، مخطوط.

سے لوگ اسی فکر وفلسفہ کو رائج کرنے اور دنیا کو یہی تصور دلانے میں مصروفِ عمل رہیں، اور جو کوئی اپنے دین ہی میں حق کو منحصر سمجھتا اس کو تعصب، بے جا جمود، تنگ نظر وغیرہ القابات سے یاد کیا جاتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ انصاف واعتدال کے نام پر یہ بڑا گمراہانہ اور غیر دانشمندانہ نظریہ ہے، یہودی دنیا نے جو اس نظریہ کو ایجاد کیا اور پھر اس کو فروغ دینے میں مصروف رہیں، یہ دیگر ادیان کے ساتھ ان کا کوئی احسان واعتدال کا جذبہ نہ تھا، بھلا جس مخلوق کی سرشت میں صدیوں سے کینہ وحسد اور شر وفتنہ ہی سرایت کر گیا ہو اس سے یہ امید کیونکر رکھا جاسکتا ہے! یہ تو محض اسی تاریخ کو دہرانا تھا جو تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے کہ اسی بد باطن مخلوق نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد ان کے دین وتعلیمات میں تحریف کر کے اس کو ختم کرنے کے لئے اپنے ہی ایک فرد "پولس" کو حواری بنا کر پیش کیا جس نے عیسائیت کے نام پر ایک نئے دین کی عمارت بنائی۔

پھر طلوعِ اسلام کے بعد جوں ہی موقع ملا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں عبد اللہ بن سبا کو مسلمان ظاہر کر کے دین اسلام کو ختم کرنا چاہا اور اسی فتنہ کی وجہ سے اس دور سے لیکر اب تک لاکھوں لوگ دین اسلام سے محروم ہو کر کفر وضلالت کی گمراہوں میں بھٹکتے رہیں۔

درجِ بالا نصوص سے معلوم ہوا کہ دینِ اسلام کے آنے اور اس کی دعوت پہنچنے کے بعد بھی جو کوئی اس کے علاوہ کسی دین کو حق اور آخرت میں موجب نجات سمجھے تو یہ کفر ہے جس کے قریب جانے سے بھی بچنا فرض ہے۔ مزید تفصیل کے

لئے دیکھئے: دکتور بکر بن عبداللہ ابو زید کا رسالہ: **الإبطال لنظرية الخلط بين دين الإسلام وغيره من الأديان۔**

کفار کی تہواروں میں شرکت کرنا

یوں تو ہر قوم ومذہب کی مختلف تہواریں اور متنوع تہذیبیں ہوتے ہیں، سیاسی، معاشی، معاشرتی اور سماجی بنیادوں پر مختلف قسم کی تقریبات ومحافل کا انعقاد ہوتا ہے، ان میں سے بعض چیزیں محض دنیوی تقریب کی حیثیت سے ہوتے ہیں اور بہت سی چیزوں کی جڑیں اصل مذہب کے ساتھ پیوست ہوتی ہیں۔

ان میں سے جو تہوار مذہبی بنیادوں پر منائے جاتے ہیں، ایک مسلمان کے لئے ان میں شامل ہونا کسی طرح جائز نہیں بلکہ سخت گناہ کی بات ہے کیونکہ عید وتہوار کسی بھی مذہب کے شعار وخصوصیت کی حیثیت رکھتی ہے جبکہ دینِ اسلام کے علاوہ کسی بھی مذہب کے شعار کو اپنانا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا:

عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم.[1]

"جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے۔"

ایک دوسری روایت میں ہے؛

"من كثر سواد قوم فهو منهم، ومن رضي عمل قوم كان شريكا في عمله". "الديلمي عن ابن مسعود".[1]

---

[1] سنن أبي داود، رقم الحديث: 4031.

"جس نے کسی قوم کی جماعت کو بڑھایا وہ انہیں میں سے ہے اور جو کسی قوم (کا عمل دیکھ کر) اس پر راضی ہو وہ اس کام میں اس کا شریک حساب ہوگا۔"[1]

پھر اگر صرف ظاہری اور عملی طور پر ہی شمولیت مقصود نہ ہو بلکہ:

الف: دل میں اس کو اچھا سمجھا جائے۔

ب: کسی کفریہ/شرکیہ عمل کا باقاعدہ ارتکاب کرے۔ج: اس کفریہ رسم کو مباح وجائز خیال کرے۔د: شریعت نے اس سلسلہ میں جو کچھ تاکیدی اور قطعی نوعیت کے احکام دیے ہیں، اس کو انسانیت، انصاف کے خلاف تصور کرے۔

تو یہ صرف گناہ ہی نہیں ہے بلکہ موجبِ کفر ہے جس کی وجہ سے ایمان واسلام سلامت نہیں رہتا، چنانچہ صاحبِ بحر "موجباتِ کفر" کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

وبخروجه إلى نيروز المجوس والموافقة معهم فيما يفعلون في ذلك اليوم وبشرائه يوم النيروز شيئا لم يكن يشتريه قبل ذلك تعظيما للنيروز لا للأكل والشرب وبإهدائه ذلك اليوم للمشركين ولو بيضة تعظيما لذلك اليوم.[2]

"مجوسیوں کے عید نیروز میں ان کے ساتھ نکلنا اور اس دن جو رسوم وہ لوگ کرتے ہیں اس میں موافقت کرنا، نیز اس دن کھانے پینے کی غرض کے بغیر محض نیروز کی تعظیم کی خاطر کوئی چیز خریدنا جو اس سے پہلے نہیں خریدتا تھا، نیز اس دن کی عظمت کی خاطر کفار کو کچھ ہدیہ دینا اگرچہ ایک انڈا کیوں نہ ہو (ان سب امور سے کافر ہوگا)۔"

---

[1] کنزالعمال، 24735، ج9ص22.

[2] البحرالرائق: کتاب السیر، باب أحکام المرتدین، ج5ص133.

جامع الفصولین میں ہے:

اجتمع المجوس يوم النيروز فقال مسلم خوب رسم نهاده اند أو قال نيك أثرنهاده اند خيف عليه الكفر[١].

"اگر نیروز کے دن مجوس جمع ہونے پر کسی مسلمان نے کہا: کہ بہت اچھی رسم بنائی ہیں یا اچھا اثر ظاہر کیا ہے ایسے شخص کے بارے میں کفر کا ڈر ہے۔"

"مجمع الانہر" میں ہے:

ويكفر بخروجه إلى نيروز المجوس والموافقة معهم فيما يفعلونه في ذلك اليوم وبشرائه يوم نيروز شيئا لم يكن يشتريه قبل ذلك تعظيما للنيروز لا للأكل والشرب وبإهدائه ذلك اليوم للمشركين ولو بيضة تعظيما لذلك اليوم ولا يكفر بإجابة دعوة مجوس وحلق رأس ولده. ويكفر بوضع قلنسوة المجوس على رأسه على الصحيح إلا لتخليص الأسير أو لضرورة دفع الحر والبرد عند البعض وقيل إن قصد به التشبيه يكفر وكذا شد الزنار في وسطه.[٢]

"مجوسیوں کے عید نیروز میں ان کے ساتھ نکلنے اور اسی دن جو وہ کرتے ہیں اس میں موافقت کرنے، نیز نیروز کی تعظیم کی خاطر اسی دن کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ کوئی چیز خریدنا جو اس سے پہلے نہیں خریدتا تھا نیز اس دن کی عظمت کی خاطر کفار کو کچھ ہدیۃ دینا اگرچہ ایک انڈا کیوں نہ ہو ان سب امور سے کافر ہوگا، البتہ مجوسی کی دعوت قبول کرنے یا اپنے بیٹے کا سر منڈھانے سے کافر نہ ہوگا، اسی طرح مجوسیوں کی ٹوپی سر پر رکھنے سے بھی صحیح قول کے مطابق کافر ہوگا البتہ اگر کسی قیدی کے چڑانے یا بعض علماء کے

---

[1] جامع الفصولین الفصل الثامن والثلاثون، ج2 ص174.

[2] مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، باب المرتد، ج1 ص698.

نزدیک گرمی سردی سے بچنے کی خاطر اگروہ ٹوپی رکھے گاتوالبتہ کافر نہ ہوگا، بعض نے کہاہے کہ اگر مقصد اس ٹوپی پہننے سے ان کے ساتھ مشابہت ہوتب کافر ہوگا،اوریہی حکم کمرپر زنار باندھنے کا بھی ہے۔"

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس موضوع پر اپنی مشہور و مفید کتاب "اقتضاء الصراط المستقیم" میں بڑی تفصیلی گفتگو فرمائی ہےاور اس باب میں ہونے والی کوتاہیوں کو بڑے بسط وتدقیق سے بیان فرمایاہےاور اس ضمن میں متعدد مسائل پر بڑاافاضلانہ کلام فرمایاہے،اہلِ علم اس کی طرف ضرور مراجعت فرمائیں۔

کرسمس میں شمولیت

موجودہ عیسائی کہلانے والے لوگ ۲۵دسمبر کو کرسمس کے نام پر یوم پیدائشِ مسیح کے تصور میں باقاعدہ مذہبی عید و تہوار کے طور پر مناتے ہیں،تاریخی ،عقلی اور دینی لحاظ سے یہ دعویٰ کہاں تک درست ہے؟ یہ ایک الگ بات ہے جس پر اہلِ علم نے بڑاکام کیاہے، لیکن بہرحال یہ ہے چونکہ ان کا مذہبی تہوار،اس لئے اس میں شمولیت اختیار کرنا،اس پر خصوصیت کے ساتھ خوشی منانا، مبارکباد دینا، یااس نام پر ہونے والے پروگرام میں شمولیت اختیار کرکے ان کے ساتھ کیک کاٹنا، یہ سب امور شرعاًناجائزاور سخت گناہ کی باتیں ہیں بلکہ اگراس میں احتیاط نہ رکھی جائے تومزید کفر کااندیشہ ہے جیساکہ مندرجہ بالاعبارات میں ذکر کیاجاچکا۔

علامہ ابن النحاس شہید رحمہ اللہ ایک جگہ بڑے درد وافسوس کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں:

"جان لو: کہ قبیح ترین اور بدترین بدعت یہ ہے کہ مسلمان عیسائیوں

کے ساتھ ان کی عیدوں میں شریک ہوتے ہیں، ان کے ساتھ کھانے، دیگر حرکات ورسوم میں اور ہدیہ کے لین دین میں مشابہت اختیار کرتے ہیں، اہل مصر اس بدعت سے دوچار ہیں اور اس میں شبہ نہیں کہ اس (بدعت) میں دین اسلام کی کمزوری (ظاہر کرنے)، نصاریٰ کی جماعت بڑھانے اور ان کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے (تینوں سنگین گناہ) موجود ہیں۔"[1]

مغربی طاقتوں کے قبضہ وتسلط کی وجہ سے آج کے مسلمانوں کا یہ بڑا المیہ ہے کہ اسلامی ممالک اور مسلمان معاشرے میں کرسمس کے نام پر مختلف اجتماعات منعقد ہوتے ہیں، ان میں شریک ہونے والے افراد کی بڑی مقدار مسلمانوں کی ہوتی ہے اس کو رواداری اور صبر وبرداشت سمجھا جاتا ہے جو نہایت افسوس، حیرت اور خطرے کی بات ہے چنانچہ بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ اخباری اطلاعات کے مطابق حال ہی میں وطن عزیز کے کئی ارباب اقتدار نے کرسمس ڈے کے ان تقریبات میں بڑے فخر واہتمام کے ساتھ باقاعدہ شرکت کی۔اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ جو لوگ اس کو منع کرتے ہیں ان پر طرح طرح کے طعن وتشنیع کے تیر برسائے جاتے ہیں اور مذمت وتنقید کا یہ نامبارک سلسلہ بعض اوقات کئی قطعی دینی احکام کے توہین واستہزاء یا استخفاف تک منتج ہوتا ہے جس کی وجہ سے انسان بسااوقات کافر ہو جاتا ہے۔

---

[1] تنبیہ الغافلین عن أعمال الجاهلین وتحذیر السالكين من أفعال الجاهلين، ج1ص 500.

غیر مسلم کو بھائی کہنا

اگر کوئی کافر نسب ورشتہ کے لحاظ سے بھائی ہے تو بلاشبہ اس لحاظ سے اس کو بھائی کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح نوع انسانی میں شریک ہونے یا ایک قوم ووطن میں ہونے کی وجہ سے کسی کو بھائی قرار دیا جاسکتا ہے چنانچہ متعدد آیات کریمہ میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا گیا، لیکن دینِ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ بھائی چارگی اور اخوت جیسے قریب رشتہ داری کی اصل بنیاد دین پر ہی ہونی چاہئے، چنانچہ سورۃ الحجرات میں ارشاد فرمایا:

{إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ} [الحجرات : ١٠]

متعدد احادیث میں بھی یہی تعلیم دی گئی ہے، یہی وہ معیاری اخوت ہے جس میں مشرق ومغرب کے فاصلہ بھی رکاوٹ نہیں بنتے بلکہ زمین کے کسی بھی کونے پر کوئی مسلمان ہو، وہ کرہ ارض پر رہنے والے تمام مسلمانوں کا بھائی ہے چاہے رنگ ونسل اور شکل وزبان کا کتنا ہی فرق ہو۔[1]

کفار کے ساتھ محبت رکھنے کی نوعیت اور اس کا حکم

کفار کے ساتھ دلی محبت رکھنا حرام ہے، پھر اگر اس محبت کی بنیاد ان کے کسی باطل دین وعقیدہ کو بہتر سمجھنا ہے تو یہ واضح کفر ہے اور اگر دین وعقیدے کے علاوہ کسی دنیوی خوبی، احسان یا کمال کی وجہ سے اس سے محبت کرتا ہے، تو یہ کفر تو نہیں ہے البتہ شرعاً یہ بھی ممنوع ہے۔

---

[1] اس کی مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: مکتوبات شیخ الاسلام حضرت مدنی، اور فتاویٰ دار العلوم زکریا ج۸ ص ۲۱۲

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

"اشتہار میں جو آیات قرآنیہ لکھی ہیں،ان کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو کفار سے محبت اور دوستی پیدا کرنا اور مسلمانوں کے خلاف کفار کے ساتھ میل جول محبت کرنا ناجائزاور حرام ہے۔"[1]

ایک بڑی غلط فہمی کا ازالہ

یاد رہے کہ کفار کے ساتھ محبت ممنوع ہونے کے لئے یہ کوئی قید نہیں ہے کہ محبت کی بنیاد خواہ مخواہ اس کا کوئی کفریہ عقیدہ ہی ہو، جیسا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے، بلکہ کافر سے اختیاری طور پر محبت رکھنا مطلقاً جائز نہیں، اس کی بنیاد خواہ کچھ بھی ہو ،البتہ یہ فرق ضرور ہے کہ کفریہ امر کی وجہ سے محبت رکھنا محض ناجائز یا گناہ ہی نہیں بلکہ باعثِ کفر بھی ہے جبکہ دنیوی امور کی وجہ سے محبت رکھنا موجبِ کفر تو نہیں ،البتہ ممنوع ضرور ہے، کفر اور اس کے اسباب وذرائع کی محبت تو عقلاً، اخلاقاً اور شرعاً ہر طرح مذموم و ممنوع ہے اس کی اتنی تاکید کرنے کی بظاہر ضرورت نہیں تھی، رہا دین وعقیدے کے علاوہ کسی اور بنیاد پر کافر کے ساتھ محبت ودوستی رکھنا، تو اس میں مختلف توجیہات وقیاسات کا احتمال تھا اس لئے اس کے تاکیدی حکم دینے کی ضرورت تھی۔

اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ محبت کی بنیاد اگرچہ دین ومذہب کا کوئی قضیہ نہ ہو بلکہ دنیوی امور ہی کی وجہ سے محبت رکھنی شروع ہوئی لیکن یہی محبت اور

---

[1] کفایت المفتی، ج ۱۳ ص ۱۳۸

دوستانہ تعلقات ہی رفتہ رفتہ کفر، شعائرِ کفر اور اس کے نظریات وعادات کی طرف لے پہنچاتی ہے جس کے بعد اگر انسان خود عملی طور پر ایسا کوئی اقدام نہ بھی کرے تو بھی کم از کم کفر اور اس کے متعلقات سے نفرت و تنفر اور اس کی برائی وشناعت کا احساس کمزور ہوتا چلا جاتا ہے، کیونکہ کسی بھی چیز کی محبت انسان کو اس کے نقصانات وخرابیوں سے اندھا و بہرا بنا کر چھوڑتی ہے، اور اس کا انجام نہایت بھیانک شکل میں نمودار ہوتا ہے۔

اس لئے حضرات فقہاء کرام نے کفار کے ساتھ الفت ومحبت کے تمام تعلقات کو ناجائز قرار دیا اگرچہ اس کی بنیاد کفر سے محبت نہ بھی ہو، امام جصاص رازی رحمہ اللہ اس موضوع کے متعلق کئی آیات وروایات کو ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

فنهى بعد النهي عن مجالستهم وملاطفتهم عن النظر إلى أموالهم وأحوالهم في الدنيا..فهذه الآي والآثار دالة على أنه ينبغي أن يعامل الكفار بالغلظة والجفوة دون الملاطفة والملاينة ما لم تكن حال يخاف فيها على تلف نفسه أو تلف بعض أعضائه أو ضررا كبيرا يلحقه في نفسه فإنه إذا خاف ذلك جاز له إظهار الملاطفة والموالاة من غير صحة اعتقاد.[1]

"کفار کے ساتھ اٹھک بھیٹھک اور نرمی سے پیش آنے سے منع کرنے کے بعد ان کے دنیاوی مال وحال کی طرف دیکھنے سے بھی منع فرمایا، پس یہ آیات اور احادیث اس بات

[1] أحکام القرآن للجصاص، سورۃ آل عمران، ج2 ص289.

پر دلالت کرتی ہے کہ مسلمان کو چاہئے کہ کو کفار کے ساتھ سختی اور بے رخی سے پیش آئے نہ کہ مہربانی اور نرمی کے ساتھ جب تک ایسی صورت حال پیش نہ ہو جس میں اسے اپنے جان کے بارے میں یا بعض اعصناء کے تلف ہونے یا کسی بڑی تکلیف کے پہنچنے کا ڈر ہو، ورنہ پھر مہربانی اور نرمی سے پیش آنے کی اجازت ہوگی بشرطیکہ ان کے عقائد کو درست نہ جانے۔"

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کفار کے ساتھ تعلق وموالات کی تیسری قسم بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

والقسم الثالث: وهو كالمتوسط بين القسمين الأولين هو أن موالاة الكفار بمعنى الركون إليهم والمعونة، والمظاهرة، والنصرة إما بسبب القرابة، أو بسبب المحبة مع اعتقاد أن دينه باطل فهذا لا يوجب الكفر إلا أنه منهي عنه، لأن الموالاة بهذا المعنى قد تجره إلى استحسان طريقته والرضا بدينه، وذلك يخرجه عن الإسلام فلا جرم هدد الله تعالى فيه فقال: ومن يفعل ذلك فليس من الله في شيء.[1]

"تیسری قسم جو پہلی دو قسموں کے درمیان ہے وہ یہ ہے کہ کفار کے ساتھ دوستی یعنی ان کی طرف میلان اور ان کی مدد ودفاع اگر رشتہ داری یا محبت کی وجہ سے ہو باوجود اس کے کہ ان کے دین کا باطل ہونا کا عقیدہ بھی رکھے اس سے اگرچہ کوئی کافر نہیں بنتا تاہم یہ بھی منع ہے، کیونکہ اس طور پر دوستی بھی کبھی کبار آدمی کو ان کے طور طریقے کے اچھے جاننے اور اس کی دین پر خوشی کی طرف کھینچ ڈالتی ہے اور انجام کار یہ انسان کو اسلام سے خارج کرتی ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں ڈراتے ہوئے فرمایا: اور

[1] مفاتیح الغیب، سورۃ ال عمران، ج8 ص192.

جو شخص ایسا (کام) کرے گا سو وہ شخص اللہ کے ساتھ (دوستی رکھنے کے) کسی شمار میں نہیں۔"

یہ عبارت اپنے مفہوم اور مدعیٰ میں بالکل واضح ہے اور اس میں صراحت ہے کہ اگر کافر کے دین ومذہب سے کوئی محبت وتعلق نہ ہو تو بھی ان کی طرف جھکاؤ رکھنا ناجائز ہے۔

علامہ ابوالسعود فرماتے ہیں:

{لاَّ يَتَّخِذِ المؤمنون الكافرين أَوْلِيَاء} نُهوا عن موالاتهم لقرابة أو صداقة جاهلية ونحوِهما من أسباب المصادقة والمعاشرة كما في قوله سبحانه {يَا أَيُّهَا الذينَ آمَنُواْ لاَ تَتَّخِذُواْ عَدُوّى وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاء}. [1]

"مسلمان کفار کو دوست نہ بنائیں، مسلمان کفار کے ساتھ رشتہ داری یا زمانہ جاہلیت کی دوستی یا ان جیسے دوستی کے اور اسباب وغیرہ کی وجہ سے دوستانہ تعلقات رکھنے سے منع کیے گئے ہیں جیسا کہ باری تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں ہے اے ایمان والو تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔"

یہ عبارت پہلے سے بھی زیادہ صریح ہے کہ صرف دینی امور کی بنیاد پر محبت وموالات ممنوع نہیں بلکہ بلکہ رشتہ داری، دوستی وغیرہ عناصر کی وجہ سے بھی کفار کے ساتھ مودت وموالات کا تعلق رکھنا ناجائز ہے، تفسیر مظہری میں ہے:

لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء: نهوا عن موالاتهم بقرابة او صداقة ونحو ذلك او عن الاستعانة بهم فى الغزو وسائر الأمور الدينية من دون المؤمنين فيه اشارة الى ان ولايتهم لا يجتمع ولاية المؤمنين

---

[1] إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم، سورۃ ال عمران، ج 2 ص 23.

لاجل منافاة بين ولاية المتعادين ففي ولاية الكفار قبح بالذات وقبح بالعرض بالحرمان عن ولاية المؤمنين... فهذه الآي والآثار دالة على أنه ينبغي أن يعامل الكفار بالغلظة والجفوة دون الملاطفة والملاينة ما لم تكن حال يخاف فيها على تلف نفسه أو تلف بعض أعضائه أو ضررا كبيرا يلحقه في نفسه فإنه إذا خاف ذلك جاز له إظهار الملاطفة والموالاة من غير صحة اعتقاد.[١]

"مسلمان کفار کو دوست نہ بنائیں، وہ کفار کے ساتھ رشتہ داری دوستی وغیرہ کی وجہ سے مسلمانوں کی دوستی سے تجاوز کر کے ان کے ساتھ دوستانہ تعلقات یا جنگ وغیرہ تمام دینی امور میں مدد مانگنے سے منع کیے گئے ہیں، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کفار اور مسلمانوں کی ساتھ دوستی بیک وقت جمع نہیں ہو سکتی کیونکہ دو دشمنوں کی باہم دوستی کا جمع ہونا ناممکن ہے کفار کی دوستی میں فی نفسہ بھی خرابی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دوستی سے محرومی ہوتی ہے، یہ آیات اور احادیث واضح کرتی ہے کہ مسلمان کو چاہیے کہ وہ کفار کے ساتھ سختی اور بے رخی سے پیش آئے، نرمی کے ساتھ پیش نہ آئے بشرطیکہ ایسا کوئی مسئلہ درپیش نہ ہو جس میں وہ اپنی جان یا بعض اعصاء کے ضائع ہونے یا بڑی مشقت و تکلیف اٹھانے کے بارے میں خوف زدہ ہو، اگر ایسی صورت حال درپیش ہو تو پھر مہربانی اور نرمی سے پیش آنے کی اجازت ہو گی بشرطیکہ ان کے عقائد کو درست نہ جانے۔"

---

[1] التفسير المظهري، سورة ال عمران، ج2ص32.

کفار کے تعظیم واکرام کا حکم

محبت ہی کا ایک ثمرہ تعظیم واحترام بھی ہے جب محبت دل میں جاگزین ہو جاتی ہے تو ساتھ محبوب کی تعظیم اوراس کا اکرام واحترام بھی بڑھتا جاتا ہے، چونکہ اس تعظیم کا اصل منشا محبت واعتقاد ہے، نیز تعظیم کی وجہ سے بنیادی جذبہ محبت کو مزید تقویت بھی ملتی ہے اور دیگر مسلمانوں کے لئے بھی اس میں پھسلنے کا خدشہ ہوتا ہے اس لئے یہ بھی اصلاً جائز نہیں۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ولا يبدأ الذمي بسلام إلا لحاجة ولا يزاد في الجواب على وعليك، وتكره مصافحته، ويحرم تعظيمه

"مسلمان بغیر ضرورت کے کسی کافر کو سلام کرنے میں پہل نہ کریں،اور نہ اس کے سلام کے جواب میں وعلیک سے زائد کچھ کہیں اسی طرح کافر کے ساتھ مصافحہ کرنا مکروہ اوراس کی تعظیم حرام ہے"۔

علامہ حموی حاشیہ میں ذکر فرماتے ہیں:

قوله: ويحرم تعظيمه قال في الذخيرة ولو قام المسلم له إن كان تعظيما له أو لغنائه كره، وإن كان لطمعه في الإسلام فلا بأس به، وجزم الطرسوسي بأنه إن قام تعظيما لذاته وما هو عليه كفر (انتهى). ولا بأس هنا في كلامه للإباحة لا لما تركه أولى.[1]

"صاحب بحر کا یہ قول کہ کافر کی تعظیم حرام ہے: ذخیرہ میں ہے اگر مسلمان کسی کافر

---

[1] غمز عیون البصائر في شرح الأشباه والنظائر، الفن الثالث، أحكام الذمي، ج3 ص401.

کی تعظیم یامالداری کی وجہ سے اس کے لیے کھڑا ہو جائے تو یہ مکروہ ہے اور اگر اس کے مسلمان ہونے کی امید پر ایسا کام کرے تب کوئی بات نہیں امام طرطوسی نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جو شخص کافر کو اس اس کی ذات اور جس حال پر وہ ہے کی تعظیم کی خاطر کھڑا ہوا وہ کافر ہوا، اور جو شخص ایسا (کام) کرے گا سو وہ شخص اللہ کے ساتھ (دوستی رکھنے کے) کسی شمار میں نہیں، طرسوسی کے کلام میں لاباس کا لفظ اباحت کے لیے ہے نہ اس معنی میں کہ اس کا چھوڑنا افضل ہو۔"

واضح رہے کہ اسلام کی دعوت دینے کے خیال سے تعظیم کرنا مدارات میں داخل ہے جو جائز ہے جیسا کہ ابھی اس کی تفصیل کی جاتی ہے۔

کافر کی مدح و تعریف کرنا

تعظیم واحترام ہی کی ایک شکل تعریف کرنا بھی ہے لہٰذا جو حکم کافر کی تعظیم واحترام کرنے کا ہے وہی حکم اس کی تعریف کرنے کا بھی ہے کہ اگر دلی محبت سے کسی کافر کی تعریف کرے یا مخاطب کے دل میں بلا وجہ اس کی محبت و تعظیم پیدا کرنے کی خاطر تعریف کرے تو یہ جائز نہیں۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے منافق کو "سید" کہنے سے منع فرمایا ہے

عن عبد الله بن بريدة، عن أبيه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تقولوا للمنافق سيد، فإنه إن يك سيدا فقد أسخطتم ربكم عز وجل.[1]

[1] سنن أبي داود، باب لا يقول المملوك ربي ور بتي، رقم الحديث: 4977.

"منافق کو سردار مت کہو کیونکہ اگر وہ سید بن جائے تو تم اپنے رب کو ناراض کر دیا"

منافق کو سید کہنا اللہ تعالیٰ کے ناراضگی اور غضب کا سبب کیوں ہے؟ اس کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ یہ بڑے اکرام و تعظیم کا لفظ ہے اور منافق اپنے نفاق کی وجہ سے اس کا ہرگز مستحق نہیں، علامہ مظہری رحمہ اللہ اپنے شرحِ مصابیح میں اس حدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

(فقد أسخطتم ربكم) أي: أغضبتم ربكم؛ لأنكم قد عظمتم كافرا، وتعظيم الكافر يخالف رضا الله وأمره.[1]

"(تم نے اپنے رب کو ناراض کیا) یعنی تم اپنے رب کو غصہ کرنے والے ہونگے کیونکہ آپ نے کافر کی تعظیم کی اور کافر کی تعظیم اللہ کی رضامندی اور حکم کے خلاف ہے۔"

یعنی منافق کو سید کہنا اللہ تعالیٰ کے غضب و ناراضگی کا باعث اس لئے ہے کہ سید کہنا تعظیم کی بات ہے جبکہ کفار شرعاً تعظیم کے مستحق نہیں ہیں، جب منافق کو سید کہنے کا یہ حال ہے حالانکہ وہ اپنے کفر کو ظاہر کرنے کی جسارت نہیں کرتا تو کافر کو سید کہنے کا بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا، اور اصولی لحاظ سے کسی چیز کو غضبِ الٰہی کا موجب قرار دیا جانا "نہی" کے اسالیب میں سے ہے گویا اس عمل سے نہی کر کے اس کو ناجائز قرار دیا گیا، نیز اس حکم کی ایک بنیادی علت مدح و تعریف کے ذریعے کافر کی تعظیم کرنا ہے لہٰذا یہ حکم صرف لفظ "سید" کے ساتھ مخصوص نہیں ہوگا بلکہ ہر تعظیمی کلمہ کا یہی حکم ہے، البتہ دفعِ مضرت یا جلبِ مصلحت دینی کے لئے جہاں ایسے کلمات کہنے کی ضرورت پڑے وہاں جائز ہے جیسا کہ مدارات کے حکم میں ذکر کر دیا جائے گا ان

[1] المفاتيح في شرح المصابيح، كتاب الاداب، باب الأسامي، ج5 ص157.

شاءاللہ۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے "شعب الایمان" میں اس سے متعلق ایک اور روایت بھی نقل فرمائی کہ فاسق آدمی کی تعریف سے اللہ تعالیٰ اتنا غضب فرماتے ہیں کہ عرش تک کانپ اٹھتا ہے۔

عن أنس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا مُدح الفاسق غضب الرب، واهتز له العرش[1]

"حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی نقل کرتے ہیں کہ جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ ناراض ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے عرش ہلتا ہے۔"

کافر تو فسق کے اعلیٰ درجہ پر ہوتا ہے اس لئے اس کی (بلاوجہ) تعریف کرنا بطریقِ اولیٰ اس وعید کے تحت داخل ہے، اور اس کی وجہ وہی ہے جو ابھی ذکر کی گئی، چنانچہ علامہ طیبی رحمہ اللہ تعالیٰ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

اهتزاز العرش عبارة عن وقوع أمر عظيم وداهية دهياء؛ لأن فيه رضى بما فيه سخط الله وغضبه، بل يقرب أن يكون كفرا؛ لأنه يكاد أن يفضي إلى استحلال ما حرمه الله تعالى، وهذا هو الداء العضال لأكثر العلماء والشعراء، والقراء والمرائين في زماننا هذا.[2]

"عرش کے ہلنے کا مطلب ایک بہت بڑے حادثے کا رونما ہونا ہے کیونکہ اس میں اللہ کی غضب اور نافرمانی کے کام پر خوش ہونا ہے بلکہ یہ کفر کے قریب ہے کیونکہ ممکن ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال سمجھنے کی طرف لے جانے والی بنے اور یہ ایک

---

[1] شعب الإیمان، حفظ اللسان، ج6 ص511.

[2] الکاشف عن حقائق السنن، کتاب الاداب، باب حفظ اللسان والغیبۃ والشتم، ج10 ص3130.

لاعلاج مرض ہے جو ہمارے اس زمانے میں اکثر علماء شعراء اور ریاء کار قاریوں کو لگی ہے۔"

اگر کسی کافر کی شرارت، اس کے ظلم وسرکشی سے خود بچنے یا دیگر مسلمانوں کو بچانے کی خاطر اس کی تعریف کی جائے، یا دعوتی مقاصد کے پیشِ نظر کوئی اس کی تعریف کرے تو اس میں مضائقہ نہیں، بشرطیکہ تعریف کرنے میں بے جا مبالغہ آرائی سے کام نہ لیا جائے بلکہ اس کے واقعی صفات واحوال بیان کرنے پر ہی اکتفاء کیا جائے اور کسی موجبِ کفر یا ناجائز خصلت کے ساتھ اس کی تعریف نہ کی جائے کیونکہ کفر یا موجبِ کفر چیز کے اچھے سمجھنے اور اس کی تعریف کرنے کو فقہاء کرام نے کفر قرار دیا، اس لئے خالص دینی ودعوتی مقاصد کے لئے تعریف کرنے میں بھی ان شرائط کی پوری پابندی کرنی ضروری ہے[1]، نیز کافر ممالک کی تعریف کرنے میں بھی یہی احتیاط ملحوظ رکھ لینی چاہئے۔

کافر مرد یا عورت کے ساتھ نکاح کرنا

کفار کی دو قسمیں ہیں، اہلِ کتاب یعنی یہود ونصاریٰ اور دوسری قسم ان کے علاوہ دیگر تمام کفار ومشرکین کی ہے، اس بات پر تقریباً اکثر فقہاء ومجتہدین کا اتفاق ہے کہ اہل کتاب کے علاوہ دیگر کفار کے ساتھ مسلمان کا نکاح کرنا شرعاً جائز نہیں، نہ مسلمان مرد ان کی عورت سے نکاح کرسکتا ہے نہ ہی مسلمان عورت کا ان کے مرد کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔

---

[1] البحر الرائق، باب أحکام المرتدین، ج5 ص133.

علامہ ابنِ قدامہ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وسائر الكفار غير أهل الكتاب، كمن عبد ما استحسن من الأصنام والأحجار والشجر والحيوان، فلا خلاف بين أهل العلم في تحريم نسائهم وذبائحهم.[1]

"اہل کتاب کے علاوہ تمام کفار کا حکم یہی ہے، جیسے جو اپنے پسند کے بتوں پھ تروں درختوں یا جانوروں کی عبادت کرتے ہیں اہل علم کا ان لوگوں کی عورتوں سے نکاح اور اس کے ذبح شدہ جانوروں کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔"

اہلِ کتاب کے ساتھ نکاح کرنے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ ہے کہ مسلمان عورت کسی اہلِ کتاب مرد کے ساتھ نکاح کرے، یہ صورت شرعاً جائز نہیں، آیت کریمہ {ولا تُنْكحوا المشركين حتى يؤمنوا} میں اسی کی ممانعت کی گئی ہے، اسی طرح سورتِ ممتحنہ کی آیت" فلا ترجعوهنّ إلى الكفّار "میں بھی اس کو ناجائز قرار دیا گیا، اس لئے پوری امت کا اتفاق ہے کہ مسلمان عورت کا کافر مرد کے ساتھ نکاح کرنا ناجائز ہے۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر؛ لقوله تعالى: {ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا}.[2]

---

[1] المغني لابن قدامة، کتاب النکاح، ج7 ص131.

[2] بدائع الصنائع، کتاب النکاح، ج2 ص271.

"مسلمان عورت کا کافر کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: اور عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جاویں۔"

علامہ وہبہ الزحیلی فرماتے ہیں:

زواج المسلمة بالكافر: يحرم بالإجماع زواج المسلمة بالكافر، لقوله تعالى: {ولا تُنْكحوا المشركين حتى يؤمنوا}.[١]

اہلِ کتاب کے ساتھ نکاح کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ مسلمان مرد کسی کتابیہ عورت کے ساتھ شادی کرے، یہ نکاح فی نفسہ جائز ہے اس بات پر اتفاق ہے، البتہ ہمارے زمانے میں بہت سے یہودی وعیسائی کہلانے والے لوگ ایسے بھی ہیں جو مردم شماری کی حد تک تو عیسائی شمار ہوتے ہیں لیکن در حقیقت وہ اللہ تعالیٰ، انبیاء کرام، آسمانی کتاب اور آخرت کے دن پر بالکل ایمان ویقین نہیں رکھتے، حالانکہ اس طرح صرف نام کا کتابی ہونا کافی نہیں اور اس کے ساتھ نکاح کرنا شرعاً جائز نہیں، اس لئے نکاح سے پہلے یہ احتیاط ضروری ہے کہ وہ واقعی معنیٰ میں کتابی ہو۔

(وحرائر نساء أهل الكتاب وذبائحهم حلال للمسلمين) ليس بين أهل العلم، بحمد الله، اختلاف في حل حرائر نساء أهل الكتاب. وممن روي عنه ذلك عمر، وعثمان، وطلحة، وحذيفة وسلمان، وجابر، وغيرهم. قال ابن المنذر: ولا يصح عن أحد من الأوائل أنه حرم ذلك.[٢]

---

[1] الفقه الإسلامي وأدلته للزحيلي، ج9ص6652.

[2] المغني لابن قدامة، كتاب النكاح، ج7ص129.

"اہلِ علم حضرات کے درمیان الحمدللہ اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اہل کتاب کی آزاد عورتیں حلال ہیں اور یہ بات حضرت عمر، عثمان، طلحہ، حذیفہ، سلمان، جابر، وغیرہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے نقل ہے ابن منذر فرماتے ہیں کہ پہلے حضرات میں کسی سے اس کا حرام ہونا نقل نہیں۔"

معلوم ہوا کہ کتابیہ عورت کے ساتھ مسلمان مرد کا نکاح کرنا بالاتفاق جائز ہے، لیکن اس بات میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ فی نفسہ جائز ہونے کے باوجود اس نکاح میں متعدد مفاسد اور خطرات کا اندیشہ ہوتا ہے جس کی وجہ سے متعدد صحابہ کرام اور سلف صالحین اس کو ناپسند خیال کرتے رہیں اور اپنے متعلقین کو بھی ہمیشہ اس سے باز رکھنے کی تلقین کرتے رہیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے مدبر اور صاحبِ فراست شخصیت نے اپنے خاص متعلقین کو یہ حکم نامہ بھی جاری فرمایا تھا کہ جن لوگوں نے کتابیہ عورتوں کے ساتھ نکاح کئے ہیں وہ ان کو طلاق دیدیں۔

علامہ ابنِ قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إذا ثبت هذا، فالأولى أن لا يتزوج كتابية؛ لأن عمر قال للذين تزوجوا من نساء أهل الكتاب: طلقوهن. فطلقوهن إلا حذيفة، فقال له عمر: طلقها. قال: تشهد أنها حرام؟ قال: هي جمرة، طلقها. قال: تشهد أنها حرام؟ قال: هي جمرة. قال: قد علمت أنها جمرة، ولكنها لي حلال. فلما كان بعد طلقها، فقيل له: ألا طلقتها حين أمرك عمر؟ قال: كرهت أن يرى الناس أني ركبت أمرا لا ينبغي لي.[1]

[1] المصدر السابق، ص130.

"مناسب یہی ہے کہ کتابی عورتوں سے نکاح نہ کی جائے کیونکہ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے فرمایا جنہوں نے کتابی عورتوں سے نکاح کیا تھا کہ انہیں طلاق دیدو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی سب نے طلاق دی حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا :اسے طلاق دو! انہوں نے عرض کیا کیاآپ اس کے حرام ہونے کی گواہی دیتے ہیں ؟فرمایاوہ آگ کاانگارا ہے لہذااسے طلاق دوانہوں نے (مکرر) عرض کیا کیاآپ اس کے حرام ہونے کی گواہی دیتے ہیں ؟حضرت عمرؓ نے فرمایاوہ آگ کاانگارا ہے ، حضرت حذیفہؓ نے فرمایامجھے معلوم ہے کہ وہ آگ کاانگارا ہے تاہم میرے لیے حلال ہے بعد میں حضرت حذیفہؓ نے اسے طلاق دیا کسی نے ان سے عرض کیاجب حضرت عمرؓ آپ کو طلاق دینے کے بارے میں فرمایا کرتے تھے تب تھاآپ نے اسے طلاق کیوں نہیں دیا، فرمایا: مجھے ڈر تھا کہ لوگ میرے بارے میں کہے گے کہ میں نامناسب کام کاارتکاب کرنے والا تھا۔"

اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نکاح کے ساتھ بیوی اور اس کے اہل خانہ سے الفت و محبت کا تعلق پیدا ہو جانا ایک طبعی ونفسیاتی بات ہےاور اکثر لوگوں کامزاج اتنا معتدل اور مضبوط نہیں ہوتا کہ وہ اس طبعی محبت کو اپنی جگہ سے متجاوز نہ ہونے دیں چنانچہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ یہی تعلق بہت سے منکرات کا ذریعہ بن جاتا ہے اور اس تعلق کی وجہ سے اہلِ کتاب سسرال کے لئے مداخلت کا دروازہ کھل جاتا ہے جو بسااوقات پوری منصوبہ بندی کے ساتھ مکمل اہلِ خانہ کی گمراہی کا ذریعہ ثابت ہو جاتا ہے،تاریخ کے اوراق میں اس کی مثالیں کم نہیں ہیں۔

قرآنِ کریم نے بھی فی الجملہ اس علت کا اعتبار فرمایا ہے چنانچہ کافر مرد کے ساتھ مسلمان عورت کے نکاح کو ممنوع قرار دینے کے ضمن میں ارشادِ خداوندی

ہے {أولئك يدعون إلى النار} یعنی یہ لوگ اس طرح نکاح کے راستے سے تم کو گمراہی میں مبتلا کر کے جہنم میں دھکیل دیں گے، بیوی چونکہ محکوم اور تابع ہوتی ہے اور وہاں یہ خطرات غالب تھے اس لئے اس کو قطعی طور پر ناجائز قرار دیا اور جب شوہر مسلمان ہے عورت کتابیہ ہو، وہاں یہ خطرات پہلے کی طرح غالب نہ تھے اس لئے اس کی فی نفسہ اجازت دیدی گئی، مگر یہاں بھی اس بنیادی علت سے تغافل برتنا درست نہیں، لہٰذا جہاں بھی ایسے خطرات متیقن یا غالب ہو وہاں اس کی ممانعت ہی کی جائے گی۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ولأن في إنكاح المؤمنة الكافر خوف وقوع المؤمنة في الكفر؛ لأن الزوج يدعوها إلى دينه، والنساء في العادات يتبعن الرجال فيما يؤثرون من الأفعال ويقلدونهم في الدين إليه وقعت الإشارة في آخر الآية بقوله عز وجل: {أولئك يدعون إلى النار} لأنهم يدعون المؤمنات إلى الكفر، والدعاء إلى الكفر دعاء إلى النار؛ لأن الكفر يوجب النار، فكان نكاح الكافر المسلمة سببا داعيا إلى الحرام فكان حراما.[1]

"مسلمان عورت کو کافر کے نکاح میں دینے سے اس کے کافر ہونے کا خطرہ ہے کیونکہ شوہر اسے اپنے دین کی طرف بلائے گی اور عورتیں عام طور پر مردوں کے افعال کی اتباع کرتی ہیں اور دین میں ان کے نقش قدم پر چلتی ہیں اس کی طرف باری تعالیٰ کے کلام میں اشارہ موجود ہے کہ (یہ لوگ انہیں جہنم کی طرف بلاتے ہیں) کیونکہ

[1] بدائع الصنائع، کتاب النکاح، ج2ص 271.

کافر مرد عورتوں کو کفر کی دعوت دیتے ہیں اور کفر کی طرف دعوت دینا دراصل جہنم کی طرف دعوت دینا ہے کیونکہ یہی کفر انجام کار جہنم کو لیجاتی ہے پس مسلمان عورت کا کافر کے ساتھ نکاح کرنا حرام کام کی طرف دعوت ہے جو کہ حرام ہے"

علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ نے ساتھ دوسرے خطرے کی طرف بھی اشارہ فرمایا:

ولأنه ربما مال إليها قلبه ففتنته، وربما كان بينهما ولد فيميل إليها.[1]

"بسا اوقات مرد کا دل عورت کی طرف مائل ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ اسے آزمائش میں ڈالتا ہے اور کبھی ان کا بچہ پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ عورت کی طرف مائل ہوتا ہے۔"

غیر مسلم کے ذبیحہ کھانے کا حکم

ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ذبح کرنے والا شخص کسی دین سماوی کا قائل ہو، لہٰذا عام کفار، مرتدین، قادیانی وغیرہ کا ذبیحہ تو بہر حال حرام ہے البتہ اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ اصلاً حلال ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ وہ واقعۃً دین یہودیت یا نصرانیت کے قائل ہو اور اپنے دینی تعلیمات کے مطابق ذبح کرے، لہٰذا اگر کوئی صرف قومیت یا مردم شماری کی حد تک عیسائی شمار ہوتا ہو اور اللہ تعالیٰ کے وجود، انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کی رسالت یا قیامت پر ایمان نہیں رکھتا ، تو وہ ملحد ہے اس کا ذبیحہ حرام ہے اسی طرح اگر ذبح کرنے میں اپنے دینی احکام کا لحاظ نہ رکھے تو بھی ذبیحہ حرام ہے۔

واقف کار حضرات کا عمومی تجربہ یہ ہے کہ آج کل یورپین ممالک میں بسنے

[1] المغني لابن قدامة، كتاب النكاح، ج7 ص130.

والے عموماً لوگ بس نام ہی کے عیسائی رہ گئے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کے وجود والوہیت کے قائل ہوتے ہیں نہ ہی قیامت وآخرت پر ان کا یقین ہوتا ہے اس لئے ان لوگوں اور ان جیسے ممالک سے برآمدہ گوشت کھانے سے احتراز کرنا چاہئے جبکہ کسی خاص شخص یا ادارے کے متعلق تحقیق نہ ہو جائے کہ وہاں ذبح دینِ عیسائیت کا عقیدہ رکھنے والے افراد ہی کرتے ہیں اور ذبح میں بھی اپنے دینی تعلیمات کا لحاظ رکھتے ہیں۔

"مبسوط" میں ہے:

قال (ولا بأس بصيد اليهودي والنصراني وذبيحتهما لقوله تعالى {وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم} والمراد الذبائح)..ولأنهم يدعون التوحيد فيتحقق منهم تسمية الله تعالى على الخلوص إلا أن يسمعه المسلم يسمي عليه المسيح، فإذا سمع ذلك منه لم يحل أكله؛ لأنه ذبح بغير اسم الله عز وجل، ولو فعل ذلك مسلم لم يحل لقوله تعالى: {وما أهل لغير الله به}.[1]

"یہودی عیسائی کا شکار اور ان کا ذبح شدہ جانور حلال ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے کہ اہل کتاب کا کھانا یعنی ذبح شدہ جانور تمہارے لیے حلال ہے کیونکہ وہ توحید کا دعوی کرتے ہیں تو (ذبح کرتے وقت) صرف اللہ تعالیٰ کا نام لینا ان کی طرف سے یقینی ہے، البتہ اگر کوئی مسلمان ان سے ذبح کے وقت جانور پر حضرت عیسی علی نبینا وعلیہ السلام کا نام لینا سنے تو پھر اس کا کھانا حلال نہیں کیونکہ وہ غیر اللہ کے نام پر ذبح ہوئی ہے اور یہ کام اگر کوئی مسلمان بھی کرے تب وہ بھی حلال نہیں باری تعالیٰ

---

[1] المبسوط للسرخسي، كتاب الصيد، ج11 ص246.

کے اس ارشاد گرامی کی وجہ سے ایسے جانور کو جو (بقصد تقرب) غیر اللہ کے نامزد کردیا گیا ہو (وہ تمہارے اوپر حرام ہے)۔"

مجمع الفقہ الاسلامی کے "مجلہ" میں ہے:

المراد بأهل الكتاب اليهود والنصارى الذين يؤمنون بعقائدهم الأساسية، وإن كانوا يؤمنون بالعقائد الباطلة من التثليث والكفارة وغيرهما, أما من لا يؤمن بالله ولا برسول ولا بالكتب السماوية فهو من الماديين، وليس له حكم أهل الكتاب، وإن كان اسمه مسجلا كنصراني أو يهودي... إن النصارى اليوم خلعوا ربقة التكليف في قضية الذبح، وتركوا أحكام دينهم، فلا يلتزمون بالطرق المشروعة، فلا تحل ذبائحهم اليوم إلا إذا ثبت في لحم بعينه أنه ذكاه نصراني بالطريق المشروع, فلا يحل اللحم الذي يباع في أسواقهم ولا يعرف ذابحه.[1]

"اہلِ کتاب سے مراد وہ یہود و نصاری ہیں جو اپنے بنیادی عقائد پر ایمان رکھتے ہیں، اگرچہ اس کے ساتھ باطل نظریات تثلیث، کفارہ وغیرہ کا بھی عقیدہ رکھیں، البتہ جو نہ اللہ پر نہ کسی پیغمبر پر نہ کسی آسمانی کتاب پر ایمان رکھتا ہو وہ دہری ہے اس کا حکم اہل کتاب جیسا نہیں اگرچہ مردم شماری میں اس کا نام یہودی یا عیسائی لکھا جاتا ہو، آج کل کے عیسائیوں ذبح کے بارے میں مقررہ احکام کی پاسداری نہیں کرتے اور انہوں نے اپنے دین کا احکام سے روگردانی کی ہے لہذا وہ جائز طریقے کا خیال نہیں کرتے، لہذا آج کل ان کے ذبح شدہ جانور حلال نہیں، البتہ اگر کسی خاص گوشت کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ کسی عیسائی نے جائز طریقے سے ذبح کی ہے وہ الگ بات ہے تاہم ان کے

---

[1] مجلۃ مجمع الفقہ الاسلامی، ج2ص 19731.

بازاروں میں جو گوشت فروخت کی جاتی ہے جس کا ذبح کرنے والا معلوم نہ ہو وہ حلال نہیں۔"

فصل دوم: معاشرتی وسماجی تعلقات

کافر کے ساتھ مدارات یعنی خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرنا

مدارات سے مقصود ظاہری خوش خلقی ہے کہ دل میں تو اس کے ساتھ کوئی محبت نہ رکھی جائے لیکن ظاہری طور پر ہنس مکھ چہرے اور خوش اخلاقی کے ساتھ ملا جائے، اس کی جائز حد تک اکرام واعزاز کی جائے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ کافر شخص اپنے اسی جرمِ کفر کی وجہ سے اس کا بھی کوئی استحقاق نہیں رکھتا، تاہم اگر کسی واقعی دینی مصلحت کی خاطر ایسا کیا جائے یا کافر کی جانب سے کسی دینی یا دنیوی تکلیف ومصیبت دور کرنے کے لئے اس کا ارتکاب کیا جائے تو اس کی رخصت ہے، اسی طرح اگر کسی کافر کے ساتھ رشتہ داری کا تعلق ہے تو بقدرِ ضرورت ظاہری طور پر اس کے ساتھ مدارات کرنا بھی درست ہے۔

سورۃ آل عمران کی آیت" إلا أن تتقوا منهم تقاة "میں اسی کی مشروط اجازت دی گئی کہ جہاں کسی مسلمان کو کافر کی طرف سے جان ومال یا عزت وآبرو کا خدشہ ہو وہاں اس کے ساتھ ظاہری طور پر اکرام واحترام کا رویہ رکھنا درست ہے۔

لیکن مدارات کی یہ صورت چونکہ ایک ضرورت کے درجہ میں ہے اس لئے بقدرِ ضرورت ہی اس کی اجازت ہوگی ، جہاں تک مدارات کرنے میں یہ ضرورت پوری ہو سکتی ہے اسی پر اکتفاء کر لینا چاہئے، اس سے تجاوز کرنا درست نہیں

ہے، لہٰذا اگر کہیں کفار کی مذمت نہ کرنے اور خاموشی سے خطرہ ٹل سکتا ہے تو اس سے تجاوز کرنا اور ان کی مدح خوانی کرنا درست نہیں۔

علامہ جصاص رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

فهذه الآي والآثار دالة على أنه ينبغي أن يعامل الكفار بالغلظة والجفوة دون الملاطفة والملاينة ما لم تكن حال يخاف فيها على تلف نفسه أو تلف بعض أعضائه أو ضررا كبيرا يلحقه في نفسه فإنه إذا خاف ذلك جاز له إظهار الملاطفة والموالاة من غير صحة اعتقاد [1]

"مسلمان کو چاہیے کہ کو کفار کے ساتھ سختی اور بے رخی سے پیش آئے نہ کہ مہربانی اور نرمی کے ساتھ جب تک ایسی کوئی صورت حال پیش نہ آئے جس میں اسے اپنے جان یا بعض اعضاء کے تلف ہونے یا کسی بڑی تکلیف کے پہنچنے کا ڈر ہو ورنہ پھر ایسی صورت حال میں مہربانی اور نرمی سے پیش آنا درست ہے بشرطیکہ ان کے عقائد کو درست نہ جانے۔"

کافر رشتہ دار کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کا حکم

اسی مدارات کی ایک شکل صلہ رحمی بھی ہے، اگر کسی مسلمان کا کوئی رشتہ دار کافر ہے تو اس کے ساتھ دلی محبت وعقیدت تو شرعاً جائز نہیں، تاہم رشتہ جوڑنا، اس کو برقرار رکھنا بالکل جائز بلکہ بہتر ہے، شریعت نے جہاں صلہ رحمی کا حکم دیا تو اس میں مسلمان یا کافر کے درمیان کوئی تفریق نہیں فرمائی لہٰذا دونوں کے ساتھ موجودہ رشتہ

[1] أحكام القرآن للجصاص، ج2ص290.

کو جوڑنا اور برقرار رکھتے رہنا چاہئے، اور جب صلہ رحمی جائز ہے تو اس کے تمام تر لوازم کی بھی شرعاً اجازت ہے مثلاً آمد و رفت، خیر و خبر معلوم کرنا، ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا، ضرورت واحتیاج کے وقت باہمی امداد و تعاون کرنا وغیرہ۔

صلہ رحمی کے لئے ان کاموں کا اقدام کرنا مدارات میں داخل ہے اور شریعت کی طرف سے اس میں کوئی مضائقہ نہیں جیسا کہ علامہ جصاص رحمہ اللہ کی درج بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے، امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی سیر کبیر اور اس کی شرح میں "باب صلۃ المشرک" کے نام سے ایک مستقل باب قائم کیا جس میں متعدد آثار ذکر کئے گئے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کافر رشتہ داروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کیا کرتے تھے اور ایسا کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، صلہ رحمی عقلاً مندوب اور مکارمِ اخلاق میں سے ہے، چنانچہ ان آثار کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ولأنّ صلة الرحم محمود عند كل عاقل وفي كل دين، والإهداء إلى الغير من مكارم الأخلاق. وقال صلى الله عليه وسلم: بعثت لأتمم مكارم الأخلاق. فعرفنا أن ذلك حسن في حق المسلمين والمشركين جميعا.[1]

"صلہ رحمی ہر عقلمند کے نزدیک اور ہر دین میں اچھی بات ہے اور دوسرے کو ہدیہ دینا اعلیٰ اخلاق کا نمونہ ہے اور آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی

---

[1] شرح السیر الکبیر، باب صلۃ المشرک، ج1ص96.

تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہوں اس سے معلوم ہوا کہ یہ باتیں مسلماں اور کفار دونوں کے حق میں اچھے ہے۔"

البتہ مدارات اور صلہ رحمی کے اس درجہ پر عمل کرتے ہوئے یہ احتیاط لازم ہے کہ اس کی وجہ سے کسی شرعی منکر ومعصیت کا ارتکاب نہ ہونے پائے، مثلاً کافر کے باطل عقیدہ کی تعریف، اس پر رضامندی واتفاق کا اظہار، کافر کے دینی ومذہبی تقریبات میں شرکت وغیرہ وغیرہ۔

مواسات یعنی کافر کے ساتھ احسان وتعاون کرنا

اگر اس میں مندرجہ ذیل تین شرائط کا لحاظ رکھا جائے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

پہلی شرط: کافر حربی نہ ہو، کیونکہ حربی کافر کے ساتھ ان جیسے معاملات سے ممانعت کی گئی ہے، سورۃ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (٨) إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ} [الممتحنة : ٨ ، ٩]

"اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا. اللہ تعالیٰ انصاف کا براؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں

(خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور (اگر نکالا بھی نہ ہو لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی ہو اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا سو وہ گناہ گار ہوں گے۔ (بیان القرآن)"

دوسری شرط: اس میں اسلام اور مسلمانوں کا کوئی ضرر نہ ہو۔

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ رحمہ اللہ مندرجہ بالا آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں؛

ومن ھاھنا یظھران المنھي عنه انما ھو موالاۃ اھل الحرب دون مبرتھم یشرط أن لا یضر بالمومنین.[1]

"معلوم ہوا کہ کفار سے دوستانہ تعلقات منع ہے نہ کہ ان کے ساتھ بھلائی کرنا بشرطیکہ اس میں مسلمانوں کا کچھ نقصان نہ ہو۔"

معلوم ہوا کہ کافر کے ساتھ مدارات جائز ہے جہاں اس کی وجہ سے مسلمانوں کو کسی تکلیف و مضرت سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

یاد رہے کہ نیکی، احسان اور ہمدردی کا زیادہ مستحق مسلمان ہے، اگر کسی مسلمان کو امداد و تعاون کی ضرورت ہے تو کافر کے مقابلے میں اوّلاً اسی مسلمان بھائی کو ترجیح دیدینی چاہیئے، اس کو عاجز و محتاج چھوڑ کر کافر کے ساتھ ہمدردی کرنا بالکل نامناسب ہے، حضرات فقہاء کرام نے یہ جزئیہ ذکر فرمایا ہے کہ اگر زکوۃ دینے والے کے اپنے شہر میں فقراءِ مستحقینِ زکوۃ موجود ہیں تو زکوۃ انہی شہری فقراء کو دینا بہتر ہے ان کو چھوڑ کر دوسرے شہر کے فقراء پر لیجا کر تقسیم کرنا کراہت سے خالی

---

[1] التفسیر المظھري، سورۃ الممتحنۃ، ج9 ص262.

نہیں ہے، جب محض ایک شہر میں رہنے کی وجہ سے اتنا استحقاق پیدا ہوتا ہے تو دینِ اسلام کا رشتہ اس سے بڑھ کر مضبوط اور لائقِ اعتناء ہے۔

تیسری شرط: خود یہ بھلائی کا معاملہ کسی ناجائز عنصر پر مشتمل نہ ہو، خیر خواہی اور خیر سگالی کے جذبہ میں شرعی حدود وقیود سے تجاوز نہ کیا جائے کہ مثلاً کوئی ایسا قول وفعل سرانجام دیا جائے جس سے اس کے کسی باطل نظریہ کی تائید ہوتی ہے یا کسی شرعی حکم کے استخفاف کا خدشہ ہو، مثلاًان کے مذہبی تہوار یا کسی بھی دینی تقریب میں شمولیت اختیار کرنا،ان کو اس حد تک مذہبی آزادی دینا کہ اسلامی ملک میں بھی عوام اور غریب مسلمانوں کے دین وایمان پر ڈاکہ ڈال سکے،ان کو کلیدی عہدوں پر فائز کرنا،وغیرہ۔

دعوتِ دین کے جذبہ سے تعاون کرنا

مندرجہ بالا تین شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے کفار کے ساتھ امداد وتعاون کرنا،ان کے ساتھ غمخواری اور ہمدردی کا اظہار کرنا جائز ہے،اور اگر کوئی دعوتِ دین کی خاطر اس کے ساتھ تعاون کرے یا اس کو کوئی ہدیہ وتحفہ دیدے تو یہ نہ صرف جائز بلکہ ایک حد تک کارِ ثواب بھی ہے۔

وإذا طمع في إسلامهم فهو مندوب إلى أن يؤلفهم فيقبل الهدية، ويهدي إليهم، عملا بقوله عليه السلام :تهادوا تحابوا.[1]

[1] شرح السیر الکبیر، باب ھدیۃ أھل الحرب، ج1ص1237.

"اور جب ان کے مسلمان ہونے کے امید ہو تب ان کی دلجوئی اچھی بات ہے لہذا ان کا ہدیہ قبول کرنا یا انہیں ہدیہ دینا درست ہے آپ ﷺ کے اس ارشاد گرامی پر عمل کرتے ہوئے "آپس میں ایک دوسرے کو ہدیہ دو تا کہ محبت بڑھ جائے۔"

کافر کی عیادت اور تعزیت کرنا

ذمی کافر کی عیادت اور تعزیت کرنے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ عیادت ہو یا تعزیت، یہ دونوں چیزیں غمخواری اور ہمدردی کی باتیں ہیں جس کی شرعاً اجازت ہے۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

(قوله وجاز عيادته) أي عيادة مسلم ذميا نصرانيا أو يهوديا، لأنه نوع بر في حقهم وما نهينا عن ذلك، وصح أن نبي الله عاد يهوديا مرض بجواره هداية... وفي النوادر جار يهودي أو مجوسي مات ابن له أو قريب ينبغي أن يعزيه، ويقول أخلف الله عليك خيرا منه، وأصلحك وكان معناه أصلحك الله بالإسلام يعني رزقك الإسلام ورزقك ولدا مسلما كفاية.[1]

"مسلمان کے لیے ذمی یہودی یا عیسائی کی عیادت کرنا درست ہے کیونکہ ان کے حق میں یہ ایک قسم احسان اور بھلائی ہے جس سے ہمیں منع نہیں کیا گیا نیز یہ بات بھی پائے تحقیق کو پہنچی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے ایک یہودی پڑوسی کی عیادت کی نوادر میں ہے: یہودی یا عیسائی پڑوسی کا کوئی بیٹا یا قریبی رشتہ دار فوت ہو جائے تو اس کے ساتھ تعزیت کرنا چاہیے اور تعزیت کے وقت یہ کہے: اللہ تعالیٰ تجھے اس سے بہتر بدلہ

---

[1] حاشیۃ ابن عابدین علی الدر المختار، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی البیع، ج6 ص388.

دے اور تیری حالت درست کرے یعنی اللہ تجھے اسلام لانے کی توفیق دے اور مسلمان بچہ عطافرمائے"

بعض فقہی جزئیات میں یہاں یہودی و نصرانی کے ساتھ "جار" یعنی پڑوسی کی قید لگائی گئی ہے، لیکن یہ قید اتفاقی ہے کیونکہ عیادت جائز ہونے کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ پڑوسی اور غیر پڑوسی دونوں کو شامل ہے جبکہ وہ حربی نہ ہو، علامہ حموی رحمہ اللہ نے

اشباہ کے حاشیہ میں اس کی تصریح بھی فرمائی کہ یہ قید احترازی نہیں ہے۔[1]

البتہ مردہ کافر کے لئے دعاءِ مغفرت کرنا جائز نہیں، اسلئے تعزیت کے وقت اس میں احتیاط کرنالازم ہے۔

قرآن کریم میں ارشادِ خداوندی ہے:

{ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ} [التوبة : ١١٣]

"پیغمبر کو اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ رشتہ دار ہی (کیوں نہ) ہوں اس امر کے ظاہر ہو جانے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں"۔

---

[1] غمز عیون البصائر، الفن الثالث، أحکام الذمی، ج ۳ ص 402.

کفار سے تعاون حاصل کرنا

اس کا حکم یہ ہے کہ کسی کی طرف سے انعام واکرام حاصل کرنے کے لئے یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ مسلمان ہو، بلکہ کافر کے اکرام واحسان سے بھی استفادہ کرنا جائز ہے، خود حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں منقول ہے کہ کئی مواقع پر کفار کے امداد وتعاون اور ان کی طرف سے ہدایا و تحائف کو وصول فرمایا، لیکن اس میں اس بات کی رعایت رکھنی لازم ہے کہ کسی ناجائز مقصد کی تکمیل کے لئے لین دین نہ ہو، اسی طرح تحائف وصول کرنے کی وجہ سے مسلمان فرد/ مملکت کے ایسے ڈھیلے پڑ جانے کا خدشہ بھی نہ ہو کہ ان کو مسلمانوں کے دینی واجتماعی امور میں مداخلت کا موقع ملے یا اس کی بدولت مزید ناجائز معاملات وروابط کا راستہ استوار ہو جائے۔

امام طحاوی اور امام جصاص رحمہا اللہ فرماتے ہیں:

قال أبو جعفر: (ولا ينبغي للمسلمين الاستعانة بالكفار على قتال الكفار، إلا أن يكون حكم الإسلام هو الغالب، فإن كان كذلك واحتيج إليهم: فلا بأس بذلك). وذلك لأن حكم الكفر إذا كان هو الغالب، فالقهر والغلبة إذا حصلا، كان حكم الكفر هو الظاهر، فصار ذلك قتالا لإظهار حكم الكفر، ولا يجوز للمسلم القتال على إظهار حكم الكفر، وإنما يجوز للمسلمين القتال لإظهار دين الإسلام، ولتكون كلمة الله العليا، فلذلك لم يجز للمسلمين أن يقاتلوا مع الكفار.

"مسلمانوں کے لیے مناسب نہیں کہ کفار کے مقابلے میں دیگر کفار

سے مدد طلب کرے، البتہ اگر اسلام کی شان وشوکت ہو اور ان کی مدد کی ضرورت پڑے تب درست ہے کیونکہ جب کفر کی بول بالا ہو اور قوت اور غلبہ حاصل ہونے کی صورت میں کفر کا بول بالا ہو گا تو یہ جنگ دراصل کفر کے غلبہ کا جنگ ہوا اور مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں، مسلمانوں کو اسلام کے غلبہ کے لیے جہاد وقتال کی اجازت ہے تاکہ اللہ کا بول بالا ہو، (لہذا جب کفر کا غلبہ ہو اور مسلمان ان کے تابع ہو تو ایسی کمزوری کی حالت میں) مسلمانوں کو ان کے ساتھ لڑائی میں شریک ہونا جائز نہیں۔"

امام جصاص رحمہ اللہ نے اس کے مختلف دلائل ذکر کرنے کے بعد یہ اشکال کیا کہ بعض روایات میں اس بات کی صراحت ہے کہ مشرک وکافر سے مدد نہ لی جائے، پھر خود ہی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

فإنه يحتمل أن يكون في حال قلة المسلمين، بحيث لم يأمن غدرهم وكيدهم.[1]

"ممکن ہے کہ مسلمان تعداد میں کم ہونے کی صورت میں میں ان کی مکر وفریب سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔"

یعنی یہ ممانعت تب ہے جب کفار سے مدد لینے میں خود اسلام یا مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو، واضح رہے کہ یہ مسئلہ اگرچہ جہاد میں اشتراک وشمولیت کے متعلق ہے لیکن اس کے علاوہ دیگر امور میں تعاون لینے کا ضابطہ بھی یہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جائز امور میں کفار سے مدد لی جاسکتی ہے جبکہ وہ متبوع نہ ہوں بلکہ تابع ہوں اور اس کی وجہ سے اسلام ومسلمانوں کو کوئی ضرر پہنچنے کا بھی خطرہ نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی بھی بات مفقود ہو، تو ان سے تعاون لینا درست نہیں ہے۔

---

[1] شرح مختصر الطحاوي للجصاص، کتاب السیر والجھاد، ج7ص192.

غیر ملکی این جی اوز سے تعاون لینا

آج کل کے ہدایا کا عموماً یہی حال ہوتا ہے خصوصاً غیر اسلامی ریاستی اداروں کی طرف سے ملنے والے انعامات و تحائف عام طور پر ایک بھیانک منصوبہ بندی کا حصہ قرار پاتے ہیں، ان کے انعام سے مسلمان فرد/حکومت کے ساتھ تعاون یا ان کی عزت اور حوصلہ افزائی مقصود نہیں ہوتی بلکہ ان کو زیرِ بار کر کے اپنے منصوبوں کی تکمیل مطلوب ہوتی ہے ورنہ تو کفر و اسلام کے درمیان واضح تضاد اور جاری جنگ کے باوجود خالص تحائف کا موقع بہت کم میسر ہوتا ہے۔

وطنِ عزیز پاکستان اور دیگر ترقی پذیر ممالک کے اندر مختلف غیر ملکی این جی اوز کے بارے میں عموماً یہی بتایا جاتا ہے کہ امداد و تعاون، فقر و غربت دور کرنے اور علاج و معالجہ کی سہولیات فراہم کرنے وغیرہ کی شکل میں وہ بیچارے بے سہارے مسلمانوں میں باطل نظریات و عقائد کی تبلیغ کر کے ان کو گمراہ کرتے ہیں، ان کے دینی فکری جذبات و نظریات کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس طرح اسلامی معاشرہ میں وہ مغربی نظریات اور وہاں کی تہذیب و عادات پھیلانے، فحاشی ، عریانی و بے حیائی کو فروغ دینے اور امداد یا رفاہی کاموں کے خوشنما نعروں سے کمزور مسلمانوں کے دل میں اس کو راسخ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

لہٰذا جہاں ایسے خطرات متیقن ہوں یا اطمینان بخش ذرائع سے اس کی توثیق ہو جائے تو ان جیسے این جی اوز اداروں میں ملازمت کرنا یا ان کے امداد و تعاون کو قبول کرنا جائز نہیں ہوگا۔

کافر کی دعوت وضیافت کرنا اور ان کے ساتھ کھانا کھانا

اگر کوئی کافر اسلامی ملک میں وہاں کے اصول و قوانین کے مطابق رہتا ہے تو اس کی دعوت کرنا جائز ہے، اگر وہ کسی مسلمان کی دعوت کرنا چاہے تو اس کو قبول کرنے کی بھی اجازت ہے، اسی طرح اگر وہ کھانا کھلانا چاہے تو بھی رخصت ہے تاہم اس میں مندرجہ ذیل تین باتوں کی رعایت رکھنی لازم ہے:

پہلی شرط: کھانا حلال ہو، اسی طرح اگر گوشت ہو تو بھی حلال طریقہ سے ذبح کیا گیا ہو۔

"محیط" میں ہے:

ولا بأس بطعام المجوس كله إلا الذبيحة، فإن ذبيحتهم حرام، قال عليه السلام: سنّوا بالمجوس سنة أهل الكتاب غير ناكحي نسائهم، ولا آكلي ذبائحهم[1]

"مجوسیوں کا کھانا کھانا درست ہے البتہ ان کا ذبح شدہ جانور حرام ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ مجوسیوں کے ساتھ بھی اہل کتاب جیسا معاملہ کرو تاہم ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کے ذبح شدہ جانوروں سے بچتے رہو۔"

دوسری شرط: دعوت کسی ضرورت، یا رشتہ داری نبھانے وغیرہ جائز مقاصد کے لئے ہو اور کبھی کبھار ہی اس کا اہتمام کیا جائے، معمول بنانے کی صورت میں خدشہ ہے کہ دونوں کے درمیان قلبی محبت کا اس حد تک تعلق پیدا ہو جائے گا جو شرعاً ممنوع بھی ہے اور بہت سے خطرات و منکرات کا ذریعہ بھی۔

---

[1] المحيط البرهاني، كتاب الاستحسان والكراهية، الفصل السادس عشر في معاملة أهل الذمة، ج5ص362.

علامہ ابنِ مازہ بخاری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

ولم يذكر محمد رحمه الله الأكل مع المجوسي ومع غيره من أهل الشرك أنه هل يحل أم لا، وحكي عن الحاكم عبد الرحمن الكاتب أنه إن ابتلي به المسلم مرة أو مرتين فلا بأس به، فأما الدوام عليه يكره؛ لأنا نهينا عن مخالطتهم وموالاتهم وتكثير سوادهم، وذلك لا يتحقق في الأكل مرة أو مرتين، إنما يتحقق بالدوام عليه.[1]

"امام محمد نے مجوسی اور دیگر مشرکوں کے ساتھ کھانا کھانے کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا کہ آیا حلال ہے یا حرام؟ البتہ عبدالرحمن الکاتب سے مروی ہے کہ کسی مسلمان کو ایک دو مرتبہ اس قسم مسئلہ درپیش ہو تو کچھ بات نہیں البتہ اس پر دوام مکروہ ہے، کیونکہ ہم کفار کے ساتھ گل ملنے ان کی دوستی اور جماعت بڑھانے سے منع کیے گئے ہیں اور یہ باتیں ایک دو مرتبہ ساتھ کھانے سے حاصل نہیں ہوتی جب تک بار بار نہ کیا جائے۔"

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ کے امداد الفتاویٰ میں اسی نوعیت کا ایک سوال وجواب ہے:

"سوال: کسی عیسائی کے ساتھ کھانا کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر ایک پیالہ اور ایک ہی رکابی میں کھانا جائے تو ایسی حالت میں کیا حکم ہے؟ کیا ساتھ کھانے سے لازمی طور پر اتحاد ہوتا ہے تو کیا ان لوگوں سے اتحاد کرنا منع ہے؟

الجواب: کفار سے بے ضرورت اختلاط وارتباط ممنوع ہے اور کھانا کھانا اختلاط

---

[1] المصدر السابق.

وارتباط بے ضرورت ہے۔"[1]

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ یہود ونصاریٰ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"بلاضرورت ان سے میل جول رکھنااوران کے ساتھ کھانے پینے کے تعلقات قائم کرنادرست نہیں کہ اس سے دین کو ضرر پہنچنے کااندیشہ ہے،اتفاقاً کہیں ساتھ کھانے کااتفاق ہوجائے تومضائقہ نہیں۔"[2]

تیسری شرط: دعوت کسی شرعی منکرپر مشتمل نہ ہو، لہٰذااگرکسی دعوت کی وجہ سے مسلمان داعی یامدعوکوشرعی منکرات سے دوچار ہوناپڑتاہےاوراس کو معلوم بھی ہو، تو ایسی دعوت کا اہتمام کرنا یااس کو قبول کرنا شرعاً ممنوع ہے مثلاً مذہبی تقریب یاتہوار وغیرہ کے موقع پر دعوت میں شامل ہونا،یاعام دنیوی دعوت میں جانا جہاں وہ کسی منکرکاعلانیہ ارتکاب کرتے ہوں،یامخلوط قسم کی دعوتیں جہاں مردوزن اکھٹے شامل ہوجاتے ہیں،یاکسی غلط ایجنڈے کی تکمیل کے لئے ترتیب دی جانے والے پروگرامز میں شمولیت اختیارکرنا،وغیرہ وغیرہ۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

وذكر القاضي الإمام ركن الإسلام علي السغدي أن المجوسي إذا كان لا يزمزم فلا بأس بالأكل معه وإن كان يزمزم فلا يأكل معه لأنه يظهر الكفر والشرك ولا يأكل معه حال ما يظهر الكفر

---

[1] امدادالفتاویٰ ج۴ص ۲۷۱۔

[2] کفایت المفتی ج۱۳ص ۱۲۵

والشرك.[١]

"مجوسی اگر کھانا کھاتے وقت منہ بند کر کے آواز پیدا نہ کرے تب ان کے ساتھ کھانا کھانا درست ہے البتہ اگر وہ کھانا کھاتے وقت منہ بند کر کے آواز پیدا کرے تو ان کے ساتھ کھانا نہ کھائے کیونکہ وہ کفر و شرک کا اظہار کرتے ہیں اور اسی حالت میں ان کے ساتھ کھانا درست نہیں۔"

حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کی طرف منسوب فتاویٰ عزیزی میں اسی نوعیت کے ایک سوال کا مفصل جواب دیا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کفار کی دعوت قبول کرنا اور ان کے ساتھ مل کر کھانا کھانا اگر کسی ناجائز امر پر مشتمل ہو تو اس میں شرکت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اگر وہاں کوئی منکر نہ ہو تو ایک آدھ بار اتفاقی طور پر کھانا کھانے میں مضائقہ نہیں ہے لیکن اس کو معمول بنانا مکروہ ہے کیونکہ ان کے ساتھ اختلاط و محبت رکھنا اور ان کی جماعت زیادہ کرنا منع ہے۔[2]

ذمی کافر کے جان و مال کے تحفظ کی اہمیت

کفار کے ساتھ مودت و محبت وغیرہ کے جو احکام ذکر ہوئے، ان کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ اسلام کافر کے ساتھ ظلم و زیادتی کی ترغیب دیتا ہے یا کفار کے ساتھ ناانصافی و بد دیانتی کو گوارا کرتا ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جب ایک غیر مسلم کسی اسلامی ریاست کے جائز قوانین تسلیم کر کے وہاں سکونت اختیار کرتا ہے تو دینِ اسلام اس کے جان و مال اور اس کے عزت و آبرو کو معصوم قرار دیتی ہے اور

---

[1] الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة، ج5ص347.

[2] فتاوی عزیزی، ص ٦١٠

ریاست کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس کو عام مسلمانوں کی طرح ملک کا ایک شہری قرار دیکر تمام جائز حقوق مہیا کرے، اسی طرح حکومت کی طرح عوام مسلمان بھی اس بات کے شرعاً مکلف ہیں کہ وہ اس کے ساتھ انصاف واعتدال کا رویہ رکھیں، کسی طرح ظلم وزیادتی اور بے انصافی کا برتاؤ نہ رکھیں۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

ألا من ظلم معاهدا، أو انتقصه، أو كلفه فوق طاقته، أو أخذ منه شيئا بغير طيب نفس، فأنا حجيجه يوم القيامة.[1]

"خبردار جس نے کسی عہد وپیمان کرنے والے پر ظلم کیا یا اس کی بے عزتی کی یا اس پر طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا یا اس کی کوئی چیز دلی رضامندی کے بغیر لے لی تو قیامت کے دن میں اس کا طرف دار ہوں گا۔"

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ مزید یہ الفاظ بھی نقل فرمائے ہے کہ:

ألا ومن قتل معاهدا له ذمة الله وذمة رسوله حرم الله عليه ريح الجنة وإن ريحها لتوجد من مسيرة سبعين خريفا.[2]

"جس نے کسی عہد وپیمان کرنے والے کو قتل کیا جس اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے امن مل چکا تھا اللہ تعالیٰ اسپر جنت کی خوشبوں حرام کرے گا جبکہ اس کی خوشبوں چالیس سال کے مسافت پر سونگھی جاتی ہے۔"

ان روایات میں ذمی کافر کے جان، مال اور عزت کو محفوظ ومعصوم قرار دیا گیا اور مزید اتنی سخت تاکید کی گئی کہ جو کوئی اس کے ساتھ ظلم وزیادتی کرے گا

1 سنن أبي داود، باب في تعشير أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارات، رقم الحديث: 3052.

2 السنن الكبرى للبيهقي، باب لا يأخذ المسلمون من ثمار أهل الذمة ولا أموالهم شيئا بغير أمرهم، رقم الحديث: 18731.

قیامت کے دن میں اس کا طرفدار ہوں گا، قتل کرنے پر بھی نہایت سخت وعید بتائی گئی کہ اس کا قاتل جنت میں جانا تو کجا، اس کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔

ان جیسی روایات کی وجہ سے فقہاءِ کرام نے یہ حکم بھی تحریر فرمایا کہ بلاوجہ کسی ذمی کافر کو تکلیف دینا اور اس کو پریشان کرنا شرعاً ناجائز اور گناہ ہے، اگر لفظ کافر کے ساتھ پکارنے سے بھی اس کو تکلیف ہوتی ہے تو اس لفظ کے ساتھ پکارنا بھی درست نہیں، چنانچہ "بحر" میں ہے:

لو قال ليهودي أو مجوسي يا كافر يأثم إن شق عليه.اهـ.[1]

"اگر کوئی یہودی یا مجوسی کو کافر کہے اور وہ اسے برا سمجھتے ہیں تو اس کہنے پر وہ شخص گنہگار ہوگا۔"

ذمی کے حقوق میں کوتاہی کے متعلق ایک نکتہ

علامہ بِرکوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نہایت مفید رسالہ "جلاء القلوب" میں ذکر فرمایا ہے کہ کفار اور جانوروں کی حق تلفی اور ان پر ظلم وزیادتی سے بطورِ خاص بچتے رہنا ضروری ہے کیونکہ عام مظلوم مسلمان کے بارے میں تو یہ احتمال ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے اس کو کچھ دیکر راضی کردیگا یا ظالم کی نیکیوں سے اس کو کچھ دلوادیگا اور یوں وہ ظالم مسلمان کو معاف کردیگا، لیکن کافر اور جانور کے حق میں تو وہاں نیکی کا کوئی فائدہ نہیں ہے نہ ہی کافر کو وہاں کی نعمتیں ملنی ہے اس لئے ان کا معاملہ بڑا شدید ہوگا جو نہایت خسارے اور نقصان کا موجب

[1] البحر الرائق، کتاب الحدود، فصل في التعزير، ج5 ص47.

بن سکتا ہے۔[1]

---

[1] جلاء القلوب، ص۲۵، ضمن رسائل البرکوي.

فصل سوم: تجارتی تعلقات

یعنی خرید وفروخت اور لین دین کے روابط۔ان معاملات میں مسلمان وکافر کا اصلاً کوئی فرق نہیں، جو معاملہ مسلمان کے ساتھ کرنا درست ہے وہ کافر کے ساتھ بھی درست ہے چنانچہ کتبِ حدیث میں حضور نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مدینہ منورہ میں وہاں رہنے والے یہود کے ساتھ خرید وفروخت، اجارہ، عاریت، قرض اور رہن وغیرہ کے معاملات ثابت ہیں۔

تاہم اس میں مندرجہ ذیل امور کی پابندی ضروری ہے:

الف۔ان معاملات کی آڑ میں مستقل دوستی، موالات اور محبت کا تعلق نہ بنایا جائے کیونکہ کئی نصوص میں اس کی صاف ممانعت کی گئی ہے جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی۔

ب۔اس میں مسلمانوں کے دین ودنیا کا کوئی ضرر نہ ہو، مثلاًاگر مقتدیٰ شخص ان کے ساتھ بلا تکلف معاملات کرتا رہے اور اس کی وجہ سے خدشہ پیدا ہو جائے کہ ان کی دیکھا دیکھی عام مسلمانوں کے دل ودماغ سے کفر واسلام کا فرق نکل جائے گا یا یہ تمیز کا جذبہ ان میں ہلکا ہو جائے گا اور یوں وہ حدود کی پابندی کئے بغیر معاملات شروع کریں گے، یا اس کو بنیاد بنا کر کسی کافر فرد/ادارے کو مسلمانوں کے اندر اپنے مذہبی یا ناجائز ایجنڈے کی تکمیل کے مواقع میسر آجائیں گے، جہاں اس قسم کے خدشات متیقن یا غالب ہوں وہاں جائز حد تک تعلقات سے بھی حتی الامکان اجتناب ہی کرتے رہنا چاہیئے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

يكره للمشهور المقتدى به الاختلاط إلى رجل من أهل الباطل والشر إلا بقدر الضرورة لأنه يعظم أمره بين أيدي الناس ولو كان رجلا لا يعرف يداريه ليدفع الظلم عن نفسه من غير إثم فلا بأس به كذا في الملتقط.[1]

"مشہور رہنما شخص کے لیے شریر اور باطل پرست لوگوں کے ساتھ کے ساتھ اٹھک بیٹھک مکروہ ہے مگر بقدرِ ضرورت، کیونکہ وہ اس طرح سے اس کا مرتبہ لوگوں کے سامنے بڑھائے گا۔ البتہ اگر وہ شخص غیر معروف ہو اور اس کی خاطر مدارکسی گناہ کاارتکاب کیے بغیر اپنے آپ سے ظلم دفع کرنے کے واسطے کرے تب کچھ حرج نہیں۔"

فقہاءِ کرام نے اس نکتہ کا خوب خوب لحاظ رکھا اور اس کی بنیاد پر کئی مسائل متفرع فرمائیں ہیں چنانچہ صاحبِ ہدایہ اس مسئلہ کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:

قال: "ويكره استخدام الخصيان"؛ لأن الرغبة في استخدامهم حث الناس على هذا الصنيع وهو مثلة محرمة.[2]

"خصی لوگوں سے خدمت لینا مکروہ ہے کیونکہ ان سے خدمت لینے میں لوگوں کو اس برے کام کی طرف رغبت دلانا ہے حالانکہ یہ مثلہ اور حرام ہے۔"

علامہ ابن مودود موصلی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

قال: (ويكره استخدام الخصيان) لأنه تحريض على الخصاء المنهي عنه لكونه مثلة.[3]

---

[1] الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب الرابع عشر في أهل الذمة، ج5ص346.

[2] الهداية في شرح بداية المبتدي، كتاب الكراهية، ج4ص380.

[3] الاختيار لتعليل المختار، كتاب الكراهية، ج4ص163.

"خصی لوگوں سے خدمت لینا مکروہ ہے کیونکہ اس میں اس ناجائز کام کی طرف رغبت دلانا ہے، کیونکہ یہ مثلہ ہے (اور مثلہ حرام ہے)۔"

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کام واقعۃً جائز بھی ہو مگر اس کی وجہ سے عام مسلمانوں میں کسی گناہ کی رغبت و جرأت پیدا ہوتی ہو، تو اس خطرہ کی وجہ سے جائز عمل بھی مکروہ ہو جائے گا۔

ج۔ ان معاملات کی وجہ سے کفار کے کسی ناجائز امر کی تائید یا اس میں اعانت کا پہلو موجود نہ ہو، چنانچہ جو کفار مسلمانوں کے ساتھ برسرِ پیکار ہوں، ان کے ہاتھ اسلحہ فروخت کرنا شرعاً درست نہیں کیونکہ اس میں ایک گونا مسلمانوں کے خلاف امداد و تعاون کا پہلو پایا جاتا ہے۔

"سیرِ کبیر" میں ہے:

ولا بأس بأن يبيع المسلمون من المشركين ما بدا لهم من الطعام والثياب وغير ذلك، إلا السلاح والكراع، والسبي سواء دخلوا إليهم بأمان أو بغير أمان.[1]

"مسلمان کفار پر ضرورت کی اشیاء فروخت کر سکتے ہیں خواہ کھانے پینے کی چیزیں ہوں یا کپڑے وغیرہ البتہ اسلحہ گھوڑے اور قیدی فروخت کرنے کی اجازت نہیں خواہ مسلمان ان کے ہاں امان (ویزہ) لیکر گئے ہوں یا بغیر ویزہ کے۔"

د۔ معاملہ کسی حرام عنصر پر مشتمل نہ ہو۔

خلاصۃ الفتاویٰ میں ہے:

[1] شرح السیر الکبیر، باب ھدیۃ أھل الحرب، ص:1242.

المسلم اذا اجرنفسه من الكافر ليخدمه جاز ويكره،قال الفضلي لايجوز في الخدمة وما فيه اضلال.[1]

"مسلمان کا اجرت لیکر کافر کی خدمت کرنا جائز ہے تاہم بہتر نہیں امام فضلی فرماتے ہیں کہ خدمت اور اس جیسے کام جس میں بے عزتی ہو جائز نہیں۔"

عمدۃ القاری میں ہے کہ:

وقال المهلب: كره أهل العلم ذلك إلا للضرورة بشرطين: أحدهما: أن يكون عمله فيما يحل للمسلم، والآخر: أن لا يعينه على ما هو ضرر على المسلمين، وقال ابن المنير: استقرت المذاهب على أن الصناع في حوانيتهم يجوز لهم العمل لأهل الذمة، ولا يعتد ذلك من الذلة، بخلاف أن يخدمه في منزله وبطريق التبعية له.٢

"اہل علم کے نزدیک کفار کی خدمت کرنا مکروہ ہے البتہ ضرورت کے وقت دو شرطوں کے ساتھ اجازت ہے ایک یہ کہ وہ کام مسلمان کے لیے حلال ہو، دوسرا یہ کہ اس کی مدد اس قسم کام میں نہ کی جائے جس میں مسلمانوں کا نقصان ہو، ابن منیر فرماتے ہیں تمام مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمان کاریگر اپنی دکانوں میں ذمی لوگوں کے کام کر سکتے ہیں اور یہ عام طور پر بے عزتی شمار نہیں ہوتی البتہ اس کے گھر میں اور اس کی ماتحتی میں کام کرنے کی اجازت نہیں۔"

---

[1] خلاصة الفتاوي، كتاب الاجارة، الفصل العاشر في الحظر والاباحة، ج٣ص١٤٩.

[2] عمدة القاري، كتاب الاجارة، هل يؤاجر المسلم نفسه من مشرک فی دارالحرب، ج12ص94.

کفار کو کلیدی عہدوں پر نصب کرنا

اسلامی ریاست میں غیر مسلم کو اہم اور کلیدی عہدوں پر فائز کرنا اور ان کو مسلمانوں کے امور کا مالک و مختار مقرر کرنا جائز نہیں، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَاعَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ }[آل عمران : ۱۱۸]

"اے ایمان والو اپنے سوا کسی کو صاحب خصوصیات مت بناؤ۔وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تمہاری مضرت کی تمنا رکھتے ہیں واقعی بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے ہم علامات تمہارے سامنے ظاہر کر چکے اگر تم عقل رکھتے ہو"۔

امام جصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں؛

وفي هذه الآية دلالة على أنه لا تجوز الاستعانة بأهل الذمة في أمور المسلمين من العمالات والكتبة.[1]

"اس آیت سے معلوم ہوا کہ ذمی کفار سے مسلمانوں کی معاملات ملازمت یا منشی کے پیشہ میں مدد لینا جائز نہیں۔"

اس کے بعد نقل کیا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ذمی کافر کو اپنے ساتھ بطور کاتب لگایا تھا جو کتابت میں کافی ماہر تھا، حضرت

---

[1] أحكام القرآن للجصاص ت قمحاوي، سورة ال عمران، ج2ص324.

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے ان کو منع فرمایا اور ممانعت پر اسی آیتِ مبارکہ سے استدلال کیا، اسی طرح ایک دوسرے ذمی کافر کے متعلق حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ وہ بڑا حافظ وماہر آدمی ہے اور اس منصب کے لئے بہت مناسب ہے تو آپ نے جواب میں یہی ارشاد فرمایا کہ اس کو یہ منصب دینا اس آیت کی خلاف ورزی ہے۔

"وسق رومی" خود بتاتے ہے کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا غلام تھا وہ مجھے فرماتے کہ آپ اسلام قبول کرے تو میں آپ کو مسلمانوں کے امور میں استعمال کروں گا (کافر ہوتے ہوئے آپ کو مسلمانوں کے اوپر عامل نہیں بنا سکتا) کیونکہ یہ بات کسی طرح مناسب نہیں کہ میں غیر مسلم کو مسلمان پر ذمہ دار ومختار مقرر کروں، میں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو مجھے مرتے دم تک کوئی منصب نہیں دیا بلکہ انتقال فرمانے قبل مجھے آزاد کر کے فرمایا کہ جہاں چاہے جاؤ۔

علامہ قرطبیؒ رحمہ اللہ تعالیٰ اسی آیت کے ذیل میں رقم فرماتے ہیں:

نهى الله عز وجل المؤمنين بهذه الآية أن يتخذوا من الكفار واليهود وأهل الأهواء دخلاء وولجاء، يفاوضونهم في الآراء، ويسندون إليهم أمورهم.[1]

"اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے مسلمانوں کو کفار، یہود اور اہل باطل کو ذمہ دار بنانے سے منع فرمایا کہ مسلمان ان کو اپنے کام سپرد کریں اور اپنے کاموں میں ان پر اعتماد کریں۔"

---

[1] تفسیر القرطبی، سورۃ ال عمران، ج4ص178.

ایک ضروری تنبیہ

اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟اور کن لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی؟اس کے متعلق حضرات مفسرین کے مختلف اقوال ہیں، بعض نے فرمایا کہ اصلاً یہ آیت یہودِ مدینہ کے متعلق نازل ہوئی تھی، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ان سے دنیوی امور میں مشورہ کیا کرتے تھےاور خیال یہ تھا کہ دین میں اختلاف کے باوجود کم از کم معاشی، سیاسی وغیرہ دنیوی امور میں وہ ہمارے ساتھ مخلص ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو حقیقتِ حال سے خبردار فرماکر اس کی ممانعت فرمادی، بعض مفسرین کرام کے ہاں منافقین کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ مسلمان ان کی باتوں پر اعتماد کرکے ان کو اپنا خیر خواہ سمجھتے تھے اور ان سے مشورہ لیا کرتے تھے وغیرہ۔

بہرحال اصل شانِ نزول خواہ کچھ بھی ہو، مگر راجح یہی ہے کہ آیتِ کریمہ کے الفاظ عام ہیں اس میں تمام کفار داخل ہیں اور کافر، خواہ وہ یہودی عیسائی ہو، یا ہندو، مشرک اور ملحد وغیرہ، ان کو مسلمانوں کے امور زندگی کا سربراہ مقرر کرنا، اسی طرح ان کو کسی اسلامی ملک میں اپنے اختیار سے کوئی کلیدی عہدہ منصب دینا شرعاً جائز نہیں، اسی طرح خالص دینی مناصب مثلاً افتاء و قضاء وغیرہ پر اس کو متعین کرنا شرعاً ممنوع ہے، اگر کفر کے ساتھ ساتھ وہ اپنے کفر کو اسلام کا لبادہ اوڑھنے پر مصر ہو جیسے کہ ہمارے ہاں قادیانی اور کفریہ عقائد رکھنے والے شیعہ کا حال ہے تو ان کا حکم اصل کافر سے بھی زیادہ سخت ہے۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ تعالیٰ اسی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

والمعنى لا تتخذوا الكافرين كاليهود والمنافقين أولياء وخواص من غير المؤمنين أو ممن لم تبلغ منزلته، منزلتكم في الشرف والديانة، والحكم عام وإن كان سبب النزول خاصا فإن اتخاذ المخالف وليا مظنة الفتنة والفساد.[1]

"اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں (کی دوستی) سے تجاوز کر کے کفار کو دوست اور خواص نہ بناؤ خواہ وہ یہود ہو منافقین یا ہر ہر وہ شخص جو مرتبہ میں مسلمانوں سے عزت اور دینداری میں کم ہو،اور یہ عام حکم ہے اگرچہ (مذکورہ آیت) کا شان نزول خاص ہے کیونکہ مخالف شخص کو دوست بنانے میں فتنہ اور فساد کا اندیشہ ہے۔"

علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو ترجیح دی، آپ تحریر فرماتے ہیں:

وأما ما تمسكوا به من أن ما بعد الآية مختص بالمنافقين فهذا لا يمنع عموم أول الآية، فإنه ثبت في أصول الفقه أن أول الآية إذا كان عاما وآخرها إذا كان خاصا لم يكن خصوص آخر الآية مانعا من عموم أولها.[2]

"جن لوگوں نے بطور دلیل کہا کہ یہ آیت منافقین کے ساتھ خاص ہے تو یہ بات آیت کی ابتداء میں ذکر شدہ عام حکم کے لیے کچھ مضر نہیں کیونکہ اصول فقہ کا یہ قاعدہ ہے جب آیت کا پہلے حصے میں ذکر شدہ حکم حصہ عام ہو اور آخر خاص ہو تو آیت کے آخری حصے کا خاص ہونا پہلے عام حکم کے لیے مضر نہیں۔"

---

[1] روح المعاني، سورۃ ال عمران، ج2ص 253.

[2] مفاتیح الغیب، سورۃ ال عمران، ج8ص 339.

کفار کی نوکری وملازمت اختیار کرنا

اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مندرجہ ذیل تین شرائط کی پوری پابندی کے ساتھ یہ کام اختیار کیا جائے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔

پہلی شرط: متعلقہ خدمت کا اصل مقصود اور عملی طریقِ کار، دونوں شرعاً جائز ہوں، لہٰذا اگر کسی کام کے اصل اہداف مشروع نہ ہوں بلکہ مسلمانوں کے درمیان فحاشی وعریانی یا اس کے علاوہ کوئی اعتقادی یا عملی گمراہی پھیلانا مقصود ہو، مسلمانوں کو کسی ناجائز امر کی طرف راغب کرنا یا ان میں مخالفِ اسلام عناصر کی نشر واشاعت ہدف ہو تو ایسی خدمت انجام دینے اور ایسی ملازمت کرنے یا اس میں امداد وتعاون کرنے سے اجتناب کرنا لازم ہے، یوں ہی اس کی وجہ سے دینی فرائض وواجبات میں بھی کوتاہی نہ ہوتی ہو، لہٰذا جن ملازمتوں میں فرض نماز پڑھنے کی ممانعت ہو یا جہاں داڑھی منڈوانا لازم ہو، اس کو اختیار کرنا شرعاً درست نہیں۔

دوسری شرط: اس میں اسلام اور مسلمانوں کی ذلت ورسوائی اور نقصان نہ ہو۔

تیسری شرط: تیسری شرط وہی ہے جو پہلے بھی کئی بار ذکر کیا گیا کہ اس کی وجہ سے ان کی محبت پیدا ہونے کا خدشہ غالب نہ ہو، اگر کسی کو خطرہ ہو کہ اس قسم کی ملازمت یا خدمت کرنے کی وجہ سے اس کے دل میں کفر اور اہلِ کفر کی محبت پیدا ہو جائے گی تو اس کے لئے ایسی ملازمت اختیار کرنا ناجائز ہے۔

کفار کے ملک میں جانااور وہاں رہائش اختیار کرنا

ایک مسلمان کے لئے بہتر یہی ہے کہ کسی اسلامی ملک میں رہ کر شرعی احکام کے مطابق زندگی گزارتا رہے، بلاوجہ کفار کے ساتھ خلط ملط نہ رکھے خصوصاً کافر ممالک میں جانااور وہاں سکونت اختیار ہونا کسی طرح مناسب نہیں، لیکن اگر وہ مجبوری کے تحت وہاں جانا چاہتا ہے تو کیا شرعاًاس کی اجازت ہے یا نہیں؟اگر ہے تو اس کے لئے کیا کچھ شرائط ہیں؟ یہ مسئلہ قابل تفصیل و تحقیق ہے یہاں اسی کو مختصراً بیان کرنا مقصود ہے۔

متعدد احادیثِ مبارکہ میں کفار کے درمیان رہنےاور ان کے ساتھ سکونت اختیار کرنے سے ممانعت فرمائی گئی ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی سند کے ساتھ نقل فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أنا بريء من كل مسلم يقيم بين أظهر المشركين. قالوا: يا رسول الله، ولم؟ قال:لا تراءى ناراهما.[1]

"میں ہراس شخص سے بیزار ہوجو کفار کے درمیان رہتاہو صحابہ نے عرض کیایارسول اللہ ﷺ کہاں تک (فاصلہ چاہیے)فرمایاکہ اس حد تک فاصلہ ضروری ہے کہ ایک دوسرے کے آگ کی روشنی نہ دیکھیں۔"

اس کے بعد حضرت سمرہ سے یہ روایت نقل فرمائی کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تساكنوا المشركين، ولا تجامعوهم، فمن ساكنهم أو جامعهم فهو مثلهم.[1]

---

[1] سنن الترمذي ت شاکر، باب ماجاء في كراهية المقام بين أظهر المشركين، رقم الحديث:1604.

"کفار کے ساتھ رہنے اور ان کے ساتھ میل ملاپ سے بچتے رہو کیونکہ جو ان کے ساتھ رہتا ہے یا میل ملاپ رکھتا ہے وہ انہی کی طرح ہے۔"[1]

امام حاکم نیشا بوریؒ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ:

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تساكنوا المشركين، ولا تجامعوهم، فمن ساكنهم أو جامعهم فليس منا.[2]

"کفار کے ساتھ رہنے اور ان کے ساتھ میل ملاپ سے بچتے رہو کیونکہ جو ان کے ساتھ رہتا ہے یا میل ملاپ رکھتا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔"

علامہ بزار رحمہ اللہ نے حضرت سمرہ کی حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمائی:

عن سمرة، رضي الله عنه، أن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: لا تساكنوا المشركين فمن ساكنهم فهو منهم.[3]

"کفار کے ساتھ رہنے سے بچتے رہو کیونکہ جو ان کے ساتھ رہتا ہے وہ ان میں سے شمار ہوتا ہے۔"

یہ اور ان جیسے دیگر روایات سے واضح ہوتا ہے کہ کفار کے ساتھ مستقل طور پر رہنا ممنوع ہے۔

اسلامی ہدایات و تعلیمات کے مطابق زندگی گزارنے والے کے لئے وہاں سکونت اختیار کرنے میں متعدد مفاسد اور مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا ہے جن میں

---

[1] أیضا.

[2] ثمّ قال إنّه حديث صحيح على شرط البخاري ولم يخرّجاه ووافقه الذهبي عليه، انظر: المستدرک على الصحيحين للحاكم، رقم الحديث: 2627، ج2ص154.

[3] مسند البزار، رقم الحديث: 4569، ج۱۰ص420.

سے ایک بڑا مفسدہ یہ ہے کہ اس سے رفتہ رفتہ کفار کے ساتھ موالات و محبت کے تعلقات پیدا ہوں گے جس سے کئی نصوص میں منع فرمایا گیا ہے اور یہی عدمِ موالات در حقیقت وہ حصار ہے جس سے انسان کے دین واسلام، اس کے دینی افکار و نظریات ،مزاج و مذاق اور تہذیب و ثقافت کی حفاظت ہو سکتی ہے، مسلمانوں کے ساتھ رہنے سہنے اور ان کے ساتھ موالات و تعلقات رکھنے سے دینی اعتقادات اور احکام کی آبیاری ہوتی ہے، خصوصاً اس مادہ پرستانہ دور میں کافر ممالک اور کافر معاشرے میں سکونت پذیر ہونا اپنے دین وایمان کو نہایت کھٹن اور صبر آزما مرحلہ میں ڈالنے کے مترادف ہے، جس کے سامنے جم کر رہنے اور استقامت دکھانے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔

علامہ عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ اس جیسے ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

لأن الإقبال على عدو الله وموالاته توجب إعراضه عن الله ومن أعرض عنه تولاه الشيطان ونقله إلى الكفران قال الزمخشري: وهذا أمر معقول فإن مولاة الولي وموالاة عدوه متنافيان.. وفيه إبرام وإلزام بالتصلب في مجانبة أعداء الله ومباعدتهم والتحرز عن مخالطتهم ومعاشرتهم {لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين} والمؤمن أولى بموالاة المؤمن وإذا والى الكافر جره ذلك إلى تداعي ضعف إيمانه فزجر الشارع عن مخالطته بهذا التغليظ العظيم حسما لمادة الفساد {يا أيها الذين آمنوا إن تطيعوا الذين كفروا يردوكم على أعقابكم فتنقلبوا خاسرين}.

"اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ ملنااور دوستی کرنااللہ سے بے رغبتی پیدا کرتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے بے رغبتی کرے شیطان اس پر مسلط ہوتا ہے اور اسے کافر بناتا ہے۔ امام زمخشری فرماتے ہیں کہ یہ بات عقل بھی تسلیم کرتی ہے کیونکہ دوست اور اس کے دشمن کے ساتھ محبت کرنانا ممکن ہے۔۔مذکورہ آیات میں سختی کے ساتھ اللہ کے دشمنوں سے جدا اور الگ رہنے ان سے باہم گل ملنے سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کو (ظاہرا یا باطنا) دوست نہ بناویں مسلمانوں (کی دوستی) سے تجاوز کر کے کیونکہ مسلمان ہی دوستی کے زیادہ لائق ہے اور جب کوئی کافر کو دوست بنائے گا تو یہ اس کے ایمان کو کمزوری کی طرف لے جائے گا پس شارع نے ان کے ساتھ گل ملنے کو سختی کے ساتھ منع فرمایا تاکہ فساد کی جڑ ختم ہو جائے اے ایمان والو اگر تم کہنا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو الٹا پھیر دینگے پھر تم ناکام ہو جاؤ گے۔" (بیان القرآن)

اس کے بعد علامہ بن تیمیہ رحمہ اللہ کے حوالہ سے بڑی مفید اور زرین بات نقل فرماتے ہیں کہ:

قال ابن تيمية: المشابهة والمشاكلة في الأمور الظاهرة توجب مشابهة ومشاكلة في الأمور الباطنة والمشاركة في الهدى الظاهر توجب مناسبة وائتلافا وإن بعد المكان والزمان وهذا أمر محسوس فمرافقتهم ومساكنتهم ولو قليلا سبب لوقوع ما مر واكتساب أخلاقهم التي هي ملعونة ولما كان مظنة الفساد خفي غير منضبط علق الحكم به وأدير التحريم عليه فمساكنتهم في الظاهر سبب ومظنة لمشابهتهم في الأخلاق والأفعال المذمومة بل في نفس الاعتقادات فيصير مساكن الكفار مثله وأيضا المشاركة في الظاهر

تورث نوع مودة ومحبة وموالاة في الباطن كما أن المحبة في الباطن تورث المشابهة وهذا مما يشهد به الحس فإن الرجلين إذا كانا من بلد واجتمعا في دار غربة كان بينهما من المودة والائتلاف أمر عظيم بموجب الطبع وإذا كانت المشابهة في أمور دنيوية تورث المحبة والمولاة فكيف المشابهة في الأمور الدينية؟.[1]

"حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ظاہر کاموں میں مشابہت اور نقل اتارنے سے باطنی امور میں مشابہت پیدا ہوتی ہے اسی طرح ظاہر شکل وشباہت میں مشارکت کی وجہ سے باوجود اس کے کہ زمانہ اور مکان دور ہو اس سے انس اور مناسبت پیدا ہوتی ہے، اور یہ حسی امر ہے لہذا کفار کے ساتھ تھوڑا اٹھک بیٹھک اور ساتھ رہنا بھی باطنی موافقت اور ان کے طور طریقہ پیدا کرتی ہے جو اللہ کی رحمت سے دوری کا ذریعہ ہے ۔لہذا جب فتنہ اور فساد کا پیدا ہونا ایک پوشیدہ چیز تھی جو کہ چھپی ھی تلی چیز نہ تھی تو حکم ظاہر کے ساتھ متعلق ہوئی اور حرمت کا دار و مدار محض ظاہری موافقت پر رکھا گیا اسی طرح ظاہر طور طریقے میں ایک ساتھ ہونا ایک قسم دلی محبت دوستی کو جنم دیتی ہے جیسا کہ دلی محبت ظاہری موافقت اور برابری پیدا کرتی ہے اور یہ بات حواس سے معلوم ہوتی ہے کیونکہ مثلا دو آدمی ایک شہر کے جب پردیس میں ملے تو ان کے درمیان طبعی محبت اور میلان ہوتا ہے لہذا جب دنیاوی امور میں مشابہت محبت کا ذریعہ ہے تو دینی امور میں کیوں نہ ہوگا؟"

---

[1] فيض القدير، رقم الحديث: 8613، ج6 ص111.

غیر مسلم ملک میں جانے کی مختلف صورتیں اور ان کے شرعی احکام

تاہم اسلامی ممالک کی صورت حال اور مختلف افراد و حالات کے لحاظ سے اس میں فرق بھی ہو سکتا ہے، اس لئے اصل حکم میں یہ تفصیل ہے کہ:

۱۔ اگر کسی شخص کے دل میں کفار/کفریہ نظام/یا کافر معاشرہ اور طرزِ زندگی کی محبت و تعظیم ہے اور اسی جذبہ کے تحت وہ وہاں جا کر رہائش اختیار کرتا ہے تو اس کے حرام ہونے میں شرعاً کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، بلکہ ان چیزوں کے ساتھ محبت اور مسلمانوں/اسلامی نظام یا واقعی اسلامی معاشرے پر اس کو ترجیح دینا ایسا جرم ہے جس کے بعد ایمان و اسلام کا سلامت رہنا ہی مشکل ہے۔

۲۔ وہاں کے رہنے والے کفار یا اقلیت میں رہنے والے بیچارے مسلمانوں کی اصلاح وارشاد کے لئے کفریہ ممالک میں جانا یا وہاں رہنا شرعاً نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے، شرط یہ ہے کہ اس کام کی اہلیت موجود ہو اور وہاں کے خطرات و فتنوں میں گھل مل جانے کا خدشہ نہ ہو، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے مختلف کفریہ علاقوں کے جو اسفار کئے تھے وہ عموماً انہی جیسے مقاصد کے لئے تھے، لیکن ہر کسی کو ان حضرات قدسی صفات پر کہاں قیاس کیا جا سکتا ہے!

اس لئے اہلِ علم اور بزرگانِ دین کی معیت و صحبت اختیار کئے بغیر ایسا اقدام کرنے میں خدشہ ہے کہ دعوت و اصلاح کے حسین جذبہ کے نتیجہ میں کہیں خود فکری یا عملی بے راہ روی کا شکار نہ ہو جائے۔

۳۔ مجبوری کی حالت میں وہاں جانا، کہ مثلاً کوئی شخص اسلامی ملک کا باشندہ ہے لیکن یہاں اس پر بلا وجہ ظلم و ستم کیا جا رہا ہے اس کے جان و مال یا عزت و آبرو کا ہتک کیا

جارہا ہے اور یہاں رہتے ہوئے اس کا کوئی قابلِ عمل حل نہیں ہو پارہا، یا کوئی شخص اپنے اور اپنے اہل وعیال کے معاش واخراجات کے سلسلہ میں پریشان ہے اور اپنے اسلامی ملک میں رہ کر کوئی ایسا متبادل طریقہ میسر نہیں ہے جس کو اپنا کر وہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کا پیٹ پال سکے اور سہولت کے ساتھ اپنی زندگی گزر بسر کرسکے، اسی مجبوری کے تحت وہ کسی کفریہ ملک کی طرف جانا چاہتا ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ ان جیسی مجبوریوں کی وجہ سے کافر ممالک کی طرف جانے کی شرعاً گنجائش ہے مگر اس کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کی رعایت رکھنی ضروری ہے:

الف: وہ ملک ایسا ہو جہاں کوئی بھی مسلمان اپنے دینی اعمال واشغال آزادی کے ساتھ کرسکتا ہو، اس پر حکومت کی طرف سے کوئی پابندی نہ ہو، پھر کافر ممالک میں بھی "اہون البلیتین" کے ضابطہ کے مطابق اسی ملک میں جانے اور وہاں کے رہنے کو ترجیح دیدینی چاہئے جہاں مفاسد وخطرات کم سے کم ہوں، مثلاً موجودہ حالات میں بھارت، برما، انگلینڈ بھی کفریہ ممالک ہیں اور جاپان وچین بھی، لیکن مسلمانوں کے لئے بھارت وبرما یا لندن وغیرہ میں جو کھلِ عام خطرات ہیں، وہ ان دوسرے ممالک سے کہیں زیادہ ہے، اس لئے کم خطرات والے ممالک سے اگر ضرورت پوری ہوسکتی ہے تو اسی کو ترجیح دیدینی چاہئے۔

ب: کفار کے ساتھ موالات ومحبت کا تعلق ہرگز نہ رکھا جائے، اقلیت کی مجبوری کی وجہ سے مدارات کی رخصت ہے جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی ہے۔

ج: ان کے مذہبی رسوم وتقریبات میں قطعاً شریک نہ ہو۔

د: کفریہ نظاموں کے ساتھ الفت ولگاؤ نہ رکھے بلکہ دل میں ان چیزوں کی نفرت رکھےاور عملی طور پر حتی الامکان اس سے دور رہے۔

س: اپنے اہل وعیال کی بھرپور اور کڑی نگرانی کرتا رہے اور ان کے متعلق بھی ان مندرجہ بالا شرائط کا لحاظ رکھے۔

فصلِ چہارم:

موضوع سے متعلق چند اشکالات اور ان کے جوابات

یہاں تک تو اس مسئلہ کی تفصیل اور اس کے مختلف درجات و مراتب اور اس کے فقہی احکام ذکر کئے گئے، اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عصرِ حاضر میں اس حکم کے متعلق جو شبہات و اشکالات پیش آتے ہیں یا مخلص طبقہ کو اس حوالہ سے جو کچھ غلط فہمیاں سامنے آتی ہیں، ان کا بھی مختصر ذکر کیا جائے۔

پہلا اشکال

اس مسئلہ کے متعلق عام طور پر یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان احکام و تعامل میں یہ تفریق انصاف و انسانیت کے خلاف ہے، ہر انسان کے ساتھ یکسا طرزِ عمل اختیار کیا جانا چاہیے، یہ کیا انصاف ہے کہ اپنے ماننے والوں کے لئے تو سب کچھ میسر ہو اور نہ ماننے والوں کو دوستی اور اچھے تعلقات تک سے محروم کر دیا جائے؟

جواب

اس اشکال پر جتنا غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ در حقیقت اس کا منشا کفر و اسلام کے خدوخال، اس کے اصل مقام، کفر کے غیر معمولی نقصانات اور اسلام کے بیش بہا فوائد سے ناواقفیت یا اس کا استحضار نہ ہونا ہے، کفر تو کہتے ہی ناشکری، ناقدری، نافرمانی اور محسن سے سرکشی کو۔ جبکہ اسلام انقیاد واطاعت اور

فرمانبرداری سے عبارت ہے، کفر اختیار کرنے کی وجہ سے کافر نے خود ناانصافی بلکہ بغاوت وسرکشی کا اقدام کیا، اب اگراس جرم کی پاداش میں اس کے ساتھ یہی رویہ اختیار کیا جائے تو اس میں آخر اشکال کیا ہے؟

برائی کے بدلے برائی کرنے کو بھی بے انصافی نہیں کہا جاتا، یہ تو خود شریعت کا احسان ہے کہ ہر حال میں اس کے خلاف بغاوت کو جائز نہیں کہا بلکہ اس کو زندہ رہنے کا بھی حق بخشا اور ذمی ومستامن ہونے کی صورت میں اس کے جان وآبرو کو مسلمان کے جان وآبرو جیسا معصوم ومحفوظ بھی قرار دیا، صرف بعض خاص روابط کو ممنوع کہا جس کی تفصیل تحریر کی جا چکی۔

کفار کے ساتھ تعلقات کی یہ حدبندی خود کافر کے لئے بھی بڑی مفید ہے اور اس کے ساتھ تمام فاصلوں کو ختم کر کے گھل ملنا خود اس کے حق میں بھی مضر ہے، اس سے اس کو اپنی بنیادی کمزوری کا احساس ہوتا ہے جو ممکن ہے کہ دولتِ اسلام سے سرفراز ہونے کا ذریعہ بنے، دوسری طرف اسلامی معاشرے اور مسلمان افراد کے لئے بھی یہ حدبندی نہایت ناگزیر ہے اگر کفر واسلام کے درمیان عملاً کوئی فاصلہ اور تمیز برقرار نہ رکھا جائے تو خطرہ ہے کہ شرپسند عناصر اسی راہ میں امت کے جم غفیر کو ارتداد تک نہ پہنچائیں۔

لیکن واضح رہے کہ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ کافر کے ساتھ ظلم وناانصافی برتی جائے اور اس کے جان ومال یا عزت کو بلاوجہ پامال کیا جائے، بلکہ شریعت نے ان مظالم کا دروازہ بھی بند کیا ہے، مودت ومحبت نہ رکھنا اور چیز ہے اور ظلم وزیادتی اور ہے، شریعت نے پہلی بات کی تاکید کی ہے، ظلم وزیادتی کو بالکل روا

نہیں رکھا۔

دوسرا اشکال

کفار کے ساتھ تعلقات کی اس حد بندی پر ایک اشکال یہ بھی کیا جاتا ہے کہ شریعت نے اہلِ کتاب عورت کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت دیدی ہے اور نکاح کی بنیاد ہی الفت و محبت پر ہوتی ہے لہٰذا شریعت کی نظر میں کافر کے ساتھ دوستانہ و محبوبانہ تعلقات رکھنے میں کوئی حرج نہیں، ورنہ تو کتابیہ عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی بھی اجازت نہ دی جاتی۔

جواب

ایک طرف وہ صریح نصوص ہیں جو تحریر کے شروع میں ذکر کئے جاچکے ہیں، ان نصوص میں بڑی صراحت اور سختی کے ساتھ کفار کے ساتھ محبت اور دوستانہ تعلقات رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے اور دوسری طرف یہ مبہم استدلال۔ محبت نکاح کا کوئی جز لاینفک نہیں کہ اس سے کبھی جدا نہ ہوسکے، اس لئے اس کی اجازت سابقہ تمام نصوص کے معارض نہیں ہے، اشکال تو تب درست ہوتا کہ وہاں محبت کرنے سے ممانعت ہوتی اور یہاں اس کی صاف اجازت، جبکہ ایسا ہے نہیں۔

علامہ جصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

الآية إنما اقتضت النهي عن الوداد والتحاب فأما نفس عقد النكاح فلم تتناوله الآية وإن كان قد يصير سببا للموادة والتحاب

فنفس العقد ليس هو الموادة والتحاب إلا أنه يؤدي إلى ذلك فاستحسنوا له غيرهن.[1]

"آیت کا تقاضہ یہ ہے کہ کفار کے ساتھ باہمی محبت ناجائز ہے البتہ ان کے ساتھ محض نکاح کرنا تو مذکورہ آیت (اس بارے میں ساکت ہے) اس کو شامل نہیں اگرچہ یہ عقد نکاح کبھی کبار محبت والفت کے ذریعہ بھی بنتی ہے تاہم نفس عقد کو محبت والفت لازم نہیں البتہ چونکہ اس کی طرف لے جانی والی ہے اسوجہ سے فقہاء نے انہیں چھوڑ کر مسلمان عورتوں کے نکاح کرنے کو پسند کیا ہے۔"

یاد رہے کہ طبعی محبت ہونے نہ ہونے کا انسان مکلف نہیں ہے لہٰذا اگر کتابیہ بیوی کے ساتھ طبعی محبت پیدا بھی ہو جائے تو بھی کوئی اشکال کی بات نہیں ہے۔

تیسرا اشکال

اس مسئلہ پر تیسرا جو بڑا اشکال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ جن آیات میں مسلمانوں کے خلاف کفار کے حسد وبغض، ان کی مکاری اور چالبازی وغیرہ کرنے کا ذکر ہے اور اس بنیاد پر ان کے ساتھ پیار ومحبت کا تعلق نہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، وہ اس خاص زمانے کے کفار کے متعلق ہیں، اس زمانے کے کفار کا یہی حال تھا اس لئے مسلمانوں کو ایک مصلحت کے تحت اس وقت یہ حکم دیا گیا، اور اب چونکہ نہ کفار کی وہ صورتِ حال رہی نہ ہی وہ مصلحت برقرار رہی جس کی خاطر قرآن وحدیث میں یہ احکام دئے گئے تھے اس لئے اب ان احکام پر عمل کرنا لازم نہیں ہے اور انسان

[1] أحكام القرآن للجصاص، سورة البقرة، ج2ص18.

ہونے کے ناطے ہر کسی سے بہتر سلوک اور دوستی ومحبت کرنے کا اختیار ہے اس میں محض مذہب کو بنیاد بناکر مسلمان وغیر مسلم کی تفریق کرنا غلط ہے۔

جواب

حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک اصولی اشکال ہے جو محض اس ایک مسئلہ کے ساتھ ہی متعلق نہیں ہے بلکہ اس کا دائرہ کار نہایت وسیع وعریض ہے اگر اس معصومانہ اشکال کو تسلیم کرلیا جائے تو محض یہ ایک مسئلہ ہی نہیں بلکہ دینِ اسلام کے سینکڑوں بلکہ شاید اکثر مسائل میں ترمیم واضافہ کرنا ضروری ہو جائے گا، اور اگر اس میں کچھ مزید سخاوت سے کام لیا جانے لگے تو اس کا انجام اسی شکل میں ظاہر ہوگا جس کا چرچا احترامِ انسانیت، وحدتِ ادیان اور تقاربِ ادیان وغیرہ خوشنما عنوانات سے آئے دن کیا جاتا ہے۔

یہاں بس اتنی اصولی بات کو سامنے رکھنا کافی معلوم ہوتا ہے کہ جن نصوص میں یہ احکام دئے گئے ہیں، ان میں "الذین آمنوا"، "المومنین" وغیرہ الفاظ کے ساتھ خطاب فرمایا گیا ہے جس میں نہ کسی مخصوص مسلمانوں کی قید ہے نہ ہی کسی معیّن کافر کا تذکرہ ہے بلکہ دونوں جگہ ایسے عام الفاظ استعمال کئے گئے جو اپنے مفہوم کے اعتبار سے سب افراد کو شامل ہے، اسی طرح ان نصوص میں زمان ومکان کی بھی کوئی قید نہیں ہے اس لئے ہر زمانے اور ہر مکان کے لئے یہ حکم ہے۔

نیز انہی نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ کفار کے ساتھ موالات ومودت کے ممنوع ہونے کی وجہ کفر ہے نہ کہ کوئی اور وقتی مصلحت، جہاں اور جب بھی یہ علت موجود ہوگی وہاں حکم بھی موجود ہوگا۔

بعض نصوص سے اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے کہ اسلام وایمان کا تقاضاہی یہ ہے کہ کفر اور اہلِ کفر کے ساتھ دوستی ومحبت رکھنے سے گریز کیا جائے یعنی اگر کوئی شخص واقعی معنیٰ میں اسلام وایمان کی نعمت سے مشرّف ہے تو کفر اور اہلِ کفر سے وہ کسی طرح پیار ومحبت کا رشتہ استوار نہیں کر سکتا، کفر وایمان دونوں ضدین ہیں جس میں ایک کی محبت سے دوسرے کی نفرت کا پیش خیمہ بن جاتا ہے۔

چنانچہ سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۸۱ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی ایک یہ خرابی بھی ذکر فرمائی ہے کہ وہ کفار کے ساتھ دوستیاں کرتے ہیں، اسی ضمن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

{تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ (۸۰) وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَاسِقُونَ} [المائدة : ۸۰ ، ۸۱]

"آپ ان میں بہت آدمی دیکھیں گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں جو کام انہوں نے آگے کے لیے کیا ہے وہ بیشک برا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناخوش ہوا اور یہ لوگ عذاب میں دائم رہیں گے اور اگر یہ لوگ اللہ پر ایمان رکھتے اور پیغمبر پر اور اس (کتاب) پر جو ان کے پاس بھیجی گئی تھی تو ان کو کبھی دوست نہ بناتے لیکن ان میں زیادہ لوگ ایمان سے خارج ہی ہیں۔ (بیان القرآن)"

اس سے واضح ہوتا ہے کہ خود ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ کافروں سے محبت نہ رکھی جائے بلکہ ضروری ہے کہ جرمِ کفر کی وجہ سے نفرت وبراءت کا تعلق

رکھا جائے، اگر مخصوص کفار پر حکم کا مدار ہوتا تو بنی اسرائیل کو یہ حکم نہیں دیا جاتا، حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسّلام کھل عام کفار سے بغض وعداوت اعلان نہ فرماتے، اسی طرح اگر وقتی مصلحت کی بات ہوتی تو اس کی تصریح ہونی چاہیئے تھی اور پھر اس خاص مصلحت کے ختم ہو جانے سے حکم کا بھی ختم کر لینا لازم تھا جبکہ یہاں تو ابراہیم علیہ الصّلاۃ والسّلام:

{إِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ} [الممتحنة : ٤]

"ہم تم سے اور جن کو تم اللہ کے سوا معبود سمجھتے ہو ان سے بیزار ہیں ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں اور تم میں ہمیشہ کے لئے عداوت اور بغض (زیادہ) ظاہر ہو گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔ (بیان القرآن)"

کا اعلان کرکے یہ وضاحت فرمانا چاہتے ہیں کہ مخاطب کفار کے ساتھ ہماری بغض وعداوت کا تسلسل تب تک چلتا رہے گا جب تک وہ ایمان قبول نہ کریں، اس کی انتہاء کسی وقتی مصلحت کے ختم ہونے پر نہیں بلکہ کفر کے ختم ہونے پر رکھی گئی، یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اس حکم کا اصل دار مدار وہ کفر ہے۔

سورۃ ممتحنہ کی آیت سے اشکال

اس مسئلہ کے متعلق ایک بنیادی اشکال جو کیا جاتا ہے اور جو بہت سے اہلِ علم اور مخلص طبقہ کے لئے بھی اشکال کا سبب بنا ہے، وہ یہ ہے کہ سورۃِ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ نے غیر حربی کافر کے ساتھ احسان ونیکی کرنے کی اجازت دی ہے اور حربی کافر

کے ساتھ احسان و تبرع کرنے سے ممانعت کی گئی،اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کافر حربی نہیں ہے تو اس کے بارے میں یہ سابقہ نصوص نہیں ہے اور اس کے ساتھ مودت و محبت کا تعلق رکھنے کی کوئی شرعی ممانعت موجود نہیں ہے۔

سورۃِ ممتحنہ کی آیت یہ ہے:

{لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (٨) إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ} [الممتحنة : ٨ ، ٩]

"اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑے اور تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا. اللہ تعالیٰ انصاف کا براؤ کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ صرف ان لوگوں کے ساتھ دوستی کرنے سے اللہ تعالیٰ تم کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑے ہوں (خواہ بالفعل یا بالعزم) اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالا ہو اور (اگر نکالا بھی نہ ہو لیکن) تمہارے نکالنے میں (نکالنے والوں کی) مدد کی ہو اور جو شخص ایسوں سے دوستی کرے گا سو وہ گناہ گار ہوں گے۔(بیان القرآن)"

اسی آیتِ کریمہ کی بنیاد پر بہت سے اہلِ علم کا موقف یہ رہا ہے کہ موالات مع الکفار کے متعلق جتنے نصوص وارد ہیں،ان تمام کا تعلق حربی کافر کے ساتھ ہے اور اسی کے ساتھ موالات و محبت کا تعلق رکھنا ممنوع ہے،اگر کوئی کافر ہونے کے باوجود عقد ذمہ کرکے مسلمانوں کے درمیان سکونت اختیار کرتا ہے تو وہ عام مسلمان شہری

کی طرح شمار ہوگا اور ہم وطن ہونے کے ناطے وہ ان تمام حقوق ورعایتوں کا مستحق ہوگا جو ایک مسلمان شہری کو حاصل ہے چنانچہ بعض روایات میں بھی اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ ایسا ذمی کافر حقوق وذمہ داریوں میں عام مسلمان شہری جیسا شمار ہوگا۔

متجددین نے محض اس ایک آیت کی بنیاد پر ان تمام نصوص کو موخر کرڈالا جو کفار کے ساتھ مودت وموالات کی ممانعت کے متعلق وارد ہیں جن میں سے کچھ آیات واحادیث اس کتابچہ کی ابتداء میں ذکر بھی کی گئیں ہیں، لیکن ان کی آراء سے تعرض کرنے کی کوئی ضرورت ہے نہ ہی ان کے انوکھے مستدلات کی طرف سے جواب دینے کا کوئی فائدہ ہے۔

بعض اہلِ علم کا موقف

البتہ بہت سے معتمد اہل علم حضرات نے بھی اس آیت کو دیکھتے ہوئے یہ موقف اختیار فرمایا کہ کفار کے ساتھ دوستی کا حکم عام نہیں ہے بلکہ صرف کافر حربی کے ساتھ مخصوص ہے، چنانچہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب زید مجدہ اس موضوع سے متعلق اپنے ایک مختصر رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

> "دوسری غلط فہمی جو اس وقت عالمی سطح پر پائی جاتی ہے، یہ ہے کہ اسلام نے غیر مسلموں کو دوست بنانے سے منع کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔۔۔اس سلسلہ میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا اس سے وہ مشرکین مراد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں مسلمانوں سے آمادہ پیکار تھے یا قیامت تک آنے والے تمام غیر مسلم اس میں شامل ہیں؟ قرآن کی تعبیر اور آیت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا

ہے کہ اس سے عہد نبوی کے وہ غیر مسلم مراد ہیں جو مسلمانوں کے ساتھ نہایت ظالمانہ رویہ روا رکھے ہوئے تھے۔"[1]

اس کے بعد سورۃ ممتحنہ کی اسی آیت کو بھی استدلال میں ذکر فرمایا اور پھر لفظ "اولیاء" اور "من دون المومنین" کے متعلق اپنی کچھ تحقیق ذکر فرمانے کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ: دوستی کی ممانعت کا تعلق صرف ان کفار کے ساتھ ہے جو مسلمانوں کے ساتھ معاندانہ سلوک رکھیں، اور دوستی سے مراد یہ ہے کہ جہاں مسلمانوں کے پوشیدہ راز غیر مسلموں تک پہنچے یا ان کے مذہبی اثرات قبول کرنے کا ذریعہ بنے، عام دوستی، محبت، اور تعلق جو سماج میں ایک دوسرے کے ساتھ ہوتی ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔[2]

شیخ عبد القادر عودہ شہید رحمہ اللہ اپنی کتاب "الإسلام واوضاعنا القانونية" میں تحریر فرماتے ہیں:

ولا يجيز الإسلام لمسلم أن يكون بينه مودة وبين من يكفر بالإسلام ويعاديه، ولا أن يتخذ منهم بطانة ولو كانوا آباء أو أبناء أو إخوة أو عشيرة، ويعتبر القرآن من يفعل ذلك مُجَرَّدًا من الإيمان. ولا يمنع الإسلام المسلمين من أن يكون بينهم وبين غير المسلمين مودة ما داموا لم يقاتلوا المسلمين أو يعتدوا عليهم، بل من واجب المسلمين في هذه الحالة أن يبروهم ويقسطوا إليهم، ولكن الإسلام

---

[1] مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان روابط، ص ۳۷

[2] ملاحظہ ہو، اسی رسالہ کا صفحہ نمبر ۳۸

يحرم على المسلمين أن يوادوا الذين قاتلوهم في الدين أو أخرجوا المسلمين من ديارهم أو ظاهروا على إخراجهم.[1]

استدلال کا جائزہ

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس آیت سے استدلال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ:

اوّلاً تو اس آیت کا سابقہ ذکر کردہ آیات سے کوئی تعارض نہیں ہے کہ وہاں مودت، موالاۃ اور محبت کرنے سے منع کیا گیا اور پہلے تفصیل سے ذکر کیا جاچکا ہے کہ کسی دینی مصلحت کے حصول یا دفع مضرت کے لئے ظاہری مدارات کی گنجائش ہے اور یہ گنجائش خود ان نصوص میں دی گئی ہے، جبکہ اس آیت میں نیکی اور انصاف کرنے کی اجازت دی گئی ہے جو کہ اسی مدارات کا ایک جز ہے، لہٰذا دونوں قسم آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے، اجازت اور ممانعت کا محل ایک نہیں ہے بلکہ جدا جدا ہے اور ہر آیت اپنی جگہ صحیح اور قابل عمل ہے، خصوصاً اس لئے بھی کہ اسی سورۃ ممتحنہ کے اول و آخر اور درمیان میں صراحت کے ساتھ مودت اور موالاۃ مع الکفار سے منع فرمایا گیا گویا سورت کا مرکزی موضوع ہی یہی ہے کہ مسلمان کفار کے ساتھ موالاۃ اور دوستی رکھنے سے گریز کریں، ان کے ساتھ الفت و محبت کی حامی بالکل نہ بھریں کیونکہ خود ایمان و کفر کی وجہ سے دونوں جانب کھلا ہوا تضاد موجود ہے۔

علامہ بیہقی رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ سے اس آیت کی تفسیر میں نقل

---

[1] الإسلام وأوضاعنا القانونية، ص:101.

فرماتے ہیں:

كانت الصلة بالمال، والبر، والإقساط، ولين الكلام، والمراسلة بحكم الله غير ما نهوا عنه: من الولاية لمن نهوا عن ولايته مع المظاهرة على المسلمين وذلك: أنه أباح بر من لم يظاهر عليهم من المشركين والإقساط إليهم ولم يحرم ذلك إلى من أظهر عليهم بل: ذكر الذين ظاهروا عليهم، فنهاهم: عن ولايتهم. وكان الولاية: غير البر والإقساط.[1]

فقہائے مالکیہ میں سے امام قرافی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الفروق" میں اس پر ایک مستقل باب باندھا ہے کہ سورۃ ممتحنہ کی اس آیت میں ذمیوں کے ساتھ براور انصاف کرنے کی اجازت دی گئی جبکہ دیگر متعدد نصوص میں ان کے ساتھ مودت اور محبت سے ممانعت فرمائی گئی ہے، توان دونوں باتوں میں کیافرق ہے کہ ایک کی اجازت دی گئی اور دوسری کی ممانعت کی گئی؟ پھر آپ نے دونوں کافرق واضح فرمایا ہے، علامہ بقوری رحمہ اللہ اس کی تہذیب واختصار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

القاعدة الثالثة: ما الفرق بين البِر والتودد. حتى أُمِرْنا بِبرّهم، ونُهِينا عن التودد لهم؟ فنقول: إنا لما عاهدناهم حسُن بنا أن لا نضيعهم، وأن نلطُف بهم، وأن نوقع معهم الأخلاق الجميلة لا خوفا منهم ولا تعظيما لهم، ثم نستحضر مع ذلك في قلوبنا عداوتهم لنا ولنبينا حتى لا نودهم ضرورةً، كما اتفق لأبي الوليد الطرطوشي حيث رأى وزيرا من الرهبان للخليفة قد أجلسه بإزائه..ورُوي عن عمر رضي

---

[1] أحكام القرآن للشافعي، ج2ص193.

الله عنه أنه كان يقول في أهل الذمة: أعينوهم ولا تظلموهم، فظهر أن الاحسان إليهم لا يخالف بغضهم، وأن ودَّهمْ غيْرُ بِرِّهِم.[1]

ثانیاً: خود سورتِ ممتحنہ کی یہ آیت بہت سے مفسرین کے نزدیک منسوخ یا مخصوص ہے اور اس کی وجہ یہی ظاہری تعارض ہے اگرچہ اکثر مفسرین اس آیت کو غیر منسوخ اور محکم ہی قرار دیتے ہیں، مگر اس تعارض کی وجہ سے منسوخ ہونے کا قائل ہونا اس اس بات کی دلیل ہے کہ اس آیت سے یہ مفہوم مراد لینا درست نہیں۔

علامہ قرطبیؒ رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قال ابن زيد: كان هذا في أول الإسلام عند الموادعة وترك الأمر بالقتال ثم نسخ. قال قتادة: نسختها فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم. وقيل: كان هذا الحكم لعلة وهو الصلح، فلما زال الصلح بفتح مكة نسخ الحكم وبقي الرسم يتلى. وقيل: هي مخصوصة في حلفاء النبي صلى الله عليه وسلم ومن بينه وبينه عهد لم ينقضه، قاله الحسن. الكلبي: هم خزاعة وبنو الحارث بن عبد مناف. وقاله أبو صالح، وقال: هم خزاعة. وقال مجاهد: هي مخصوصة في الذين آمنوا ولم يهاجروا...وقال أكثر أهل التأويل: هي محكمة.[2]

---

[1] ترتیب الفروق واختصارھا، ج1ص430.

[2] تفسیر القرطبی، سورۃ القرطبی، ج18ص59.

"یہ حکم ابتداء اسلام میں مسلمانوں کی کمزوری اور جنگ کے احکامات نازل ہونے سے پہلے کا تھا پھر منسوخ ہوا۔ قتادہؒ فرماتے ہیں یہ حکم فاقتلواالمشرکین سے منسوخ ہوا۔ بعض نے کہاہے کہ یہ حکم ایک علت یعنی صلح کی وجہ سے تھاجب فتح مکہ کی وجہ سے صلح ختم ہوئی تو یہ حکم بھی منسوخ ہوااورآیات قرآنی تلاوت کی حد تک برقرار رہی۔ بعض نے کہاہے کہ کہ یہ حکم آپ ﷺ ساتھ ان معاہدہ کرنے والوں کے بارے میں جنہوں نے عہد کر کے نہ تھوڑا تھاان کے ساتھ خاص تھا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں : کہ یہ خزاعہ بنو حارث بن عبد مناف کے لوگ تھے ابو صالح فرماتے ہیں کہ یہ خزاعہ کے لوگ تھے مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ حکم صرف ان لوگوں کے لیے تھا جنہوں نے ایمان لایااور ہجرت نہیں کی جبکہ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔"

ثالثاً: حضرات صحابہ کرام اور سلفِ صالحین نے ممانعت کے انہی نصوص سے بہت سے مسائل وواقعات میں استدلال فرماتے رہے ہیں جبکہ منسوخ آیات سے کسی حکمِ شرعی پر استدلال کرنا درست نہیں ہوتا، اس لئے اس آیت کی وجہ سے ان تمام نصوص کو منسوخ قرار دینا درست نہیں ہے جہاں کفار کے ساتھ موالاۃ کی ممانعت فرمائی گئی۔

رابعا: اس بات پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ کفار کے ساتھ موالات ومودت کے ممنوع ہونے کا جو حکم کئی نصوص میں دیا گیاہے، اس کی بنیادی علت واساس کیاہے؟ وہ کونسے اسباب وعناصر تھے جن کی خاطر مسلمان کو کافر کے ساتھ اس قسم کے تعلقات رکھنے سے ایک دو نہیں، دسیوں نصوص میں اہتمام کے

ساتھ بازرہنے کا حکم دیا گیا؟اور پھر کیا وہ عناصر حربی کافر کے ساتھ ہی مختص ہیں یا ذمی کافر میں بھی موجود ہیں؟

اس موضوع کے تمام تر نصوص،ان کے پس منظر اور حضرات صحابہ کرام وسلف نے ان نصوص سے جو کچھ سمجھ کر عمل کیا،ان تمام باتوں کو سامنے رکھنے سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس حکم کی اصل علت کافر کا کفر ہی ہے اور بس۔ کافر کا محارب یا بر سرِ جنگ ہونا مزید شناعت اور حکم میں تشدید وتاکید کا سبب تو ضرور ہے مگر اصل علت اس میں منحصر نہیں۔

"کافر" "کفار" "عدو" اور "غضب اللہ علیہم" وغیرہ الفاظ کے ساتھ حکم دیناہی اس بات کی علامت ہے کہ ان کا کفر،اسلام کے ساتھ عداوت اور اللہ تعالیٰ کے غضب کا مورد ہوناہی اس حکم کی بنیاد ہے، اسی طرح اکثر یہود اس وقت باقاعدہ محارب نہیں تھے بلکہ ان میں سے بہت سے افراد بطور معاہد مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس قبائل میں بھی رہتے تھے مگر اس کے باوجود ان کو اس حکم میں شامل کیا گیا، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دورِ خلافت کے متعدد واقعات میں ان نصوص کو اہلِ ذمہ پر منطبق فرمایا تھا۔

اگر غور کیا جائے تو خود اللہ تعالیٰ،دینِ اسلام اور اہلِ اسلام سے محبت کا تقاضا ہی یہی ہے کہ کفر،امورِ کفر اور اہلِ کفر سے بغض وعداوت رکھی جائے، کفر واسلام اور کافر ومسلمان آپس میں ضدین ہے اسی طرح شیطان اللہ تعالیٰ کا کھلا ہوا دشمن ہے، ان میں کسی ایک جانب دلی جھکاؤ دوسری جانب سے اعراض ودوری کے مترادف ہے،کفر کی محبت اسلام سے نفرت اور کفر سے دوستی اسلام کی دشمنی ہے اسی طرح

کافر کے ساتھ الفت و محبت کے برتاؤ رکھنے میں جہاں اور کئی مفاسد و خطرات ہیں وہاں یہ مسلمان سے دوری و نفرت کا بھی سبب ہو سکتا ہے۔

حاصلِ کلام

درست بات یہی ہے کہ ذکر کردہ دونوں قسم کی آیات میں کوئی تعارض نہیں ہے جس کی وجہ سے کسی آیت کو منسوخ کہنے کی ضرورت پیدا ہو جائے، کیونکہ سابقہ آیات میں موالات اور مودت سے ممانعت کی گئی ہے اور یہاں سورت ممتحنہ کی اس آیت میں بھلائی وانصاف کی اجازت دی گئی، موالات و مودت کا مفہوم کچھ ہے اور بھلائی وانصاف کا کچھ اور، پہلے کا تعلق دل اور عقل کے ساتھ ہے اور دوسرے کا ظاہری رویہ اور عمل کے ساتھ۔ جب دونوں امور کا مفہوم اور متعلق ہی جدا ہے تو تعارض اور پھر ترجیح یا نسخ کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی دونوں قسم کے نصوص کو اسی طرح جمع فرمایا کہ ان میں کوئی تعارض نہیں، ایک میں مودت و محبت کی ممانعت اور دوسری جگہ نیکی بھلائی کی اجازت۔ چونکہ نیکی و بھلائی کرنے کے لئے مودت و محبت رکھنا کوئی لازم نہیں اس لئے تعارض و تضاد کا سوال بھی متوجہ نہیں ہوتا۔

آپ تحریر فرماتے ہیں:

ثم البر والصلة والإحسان لا يستلزم التحابب والتوادد المنهي عنه في قوله تعالى لا تجد قوما يؤمنون بالله واليوم الآخر يوادون من حاد

الله ورسوله الآية فإنها عامة في حق من قاتل ومن لم يقاتل والله أعلم.[١]

"نیکی صلہ رحمی اور خیر خواہی سے کفار کے ساتھ محبت کا ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ باری تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں اس سے منع کیا گیا ہے (جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر (پورا پورا) ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو نہ دیکھیں گے کہ ایسے شخصوں سے دوستی رکھتے ہیں جو اللہ اور رسول کے برخلاف ہیں) کیونکہ یہ آیت جنگ کرنے والوں اور نہ کرنے والوں سب کے بارے میں ہے۔"

یہ عبارت اپنے مدعیٰ میں بالکل صریح ہے کہ مودت وموالات کی ممانعت کے متعلق جو نصوص وارد ہیں، وہ مقاتل اور غیر مقاتل دونوں قسم کے کفار کے متعلق ہیں، کیونکہ اس حکم کی بنیاد کافر کے کفر پر ہے نہ کہ خاص حربی یا محارب ہونے پر۔

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

والمعنى: لا ينهاكم عن مبرة هؤلاء، وإنما ينهاكم عن تولي هؤلاء، وهذا رحمة لهم لشدتهم في العداوة، وقال أهل التأويل: هذه الآية تدل على جواز البر بين المشركين والمسلمين، وإن كانت الموالاة منقطعة.[٢]

"یعنی اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے سے منع نہیں فرماتا، بلکہ ان دوسرے لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات سے منع فرماتا ہے اور یہ دراصل ان

---

[1] فتح الباري لابن حجر، باب الهدية للمشركين وقول الله تعالى لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين، ج5 ص233.

[2] مفاتيح الغيب، سورة الممتحنة، ج29 ص521.

کے حق میں رحمت ہے کیونکہ وہ دشمنی میں سخت ہے (لہذا نیکی اور احسان ترک کرنے کی صورت میں ان کو سوچنے ہدایت کا سامان فراہم ہونے کا موق ملے گا) مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت مسلمان اور کفار کا آپس میں بھلائی کے جائز ہونے پر دلالت کرتی ہے اگرچہ دوستانہ تعلقات کی اب اجازت نہیں۔"

اس عبارت کے مطابق موالات کے ممنوع قرار دینے کے باوجود نیکی و بھلائی کرنے کی اجازت ہے، معلوم ہوا دونوں میں کوئی تناقض نہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ بھی اسی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ دونوں قسم آیات میں تعارض نہیں۔

تفسیرِ مظہری میں ہے:

ومن هاهنا يظهران المنهي عنه انما هو موالاة اهل الحرب دون مبرتهم يشرط ان لا يضربا لمومنين وقد قال الله تعالى فى الأسارى من اهل الحرب امامنا بعد واما فداء والمن نوع من البر... فأولئك هم الظالمون ولا مفهوم لهذه الاية فانه لا يجوز موالاة اهل الذمة ايضا لعموم قوله تعالى لا تتخذوا عدوى وعدوكم اولياء وقوله تعالى لا تتخذوا اليهود والنصارى اولياء.[1]

"اس سے معلوم ہوا کہ اہل حرب کے ساتھ دوستانہ تعلقات ہی منع ہے بھلائی اور احسان منع نہیں بشرطیکہ وہ مسلمانوں کے حق میں نقصان دہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ اہل حرب کے قیدیوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ تو یا تو بلا معاوضہ چھوڑ دینا اور یا معاوضہ لے کر چھوڑ دینا اور بلا معاوضہ چھوڑنا ایک قسم نیکی اور احسان ہے ذمی مسلمانوں

[1] التفسير المظهري، سورة الممتحنة، ج9 ص262.

کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات منع ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی عام ہے یعنی اے ایمان والو تم میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ اور دوسری جگہ باری تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی کہ تم یہود و نصاری کو دوست مت بناؤ۔"

لفظِ موالات سے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

موالات اور تولیّ کا اصل مادہ "ولی" ہے اور یہ مادہ کلام عرب میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے، علامہ راغب اصفہانی رحمہ اللہ اور دیگر اہل لغت نے اس کے مختلف معانی گنوائے ہیں، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن نصوص میں یہود و نصاریٰ یا دیگر کفار کے ساتھ "تولیّ" یا "موالات" وغیرہ کی ممانعت کی گئی ہے وہاں ان معانی میں سے کونسا معنیٰ مراد ہے؟ آیا ان کو محض دوست و محبوب بنانا بھی منع ہے یا ان کو رازدان بنانے اور ان کے ساتھ نصرت و تعاون کرنے کی ممانعت مقصود ہے؟

جمہور اہل علم نے ان نصوص میں لفظ موالات سے پہلا معنیٰ ہی مراد لیا ہے جب کہ بعض معاصر اہلِ علم نے یہ خیال ظاہر فرمایا ہیں کہ ان جیسے نصوص سے راز دان بنانے یا مسلمانوں کے مقابلہ میں ان کے ساتھ امداد و تعاون کرنے کی ممانعت مقصود ہے، صرف دوست بنانا یا ان کے ساتھ محبت کا رشتہ استوار کرنا ممنوع نہیں ہے، چنانچہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب زید مجدہ تحریر فرماتے ہیں:

"پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اولیاء بنانے سے کیا مراد ہے؟ عام دوست کو ولی نہیں کہتے ہیں، ولی ایسے قریب ترین شخص کو کہا جاتا ہے جس سے بے حد قربت ہو، یہاں تک کہ کوئی راز اس سے راز نہ رہے،

اس لئے والد، دادااور سرپرست کو ولی کہتے ہیں، پس آیت کا منشاء یہ ہے کہ مسلمانوں کا راز ان غیر مسلموں کے پاس نہ چلا جائے جو تم سے بر سرپیکار ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ ہر ملک اپنے راز کی باتوں کو چھپانا چاہتا ہے تاکہ دشمن اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے، عام دوستانہ تعلقات اس میں مراد نہیں ہیں۔"[1]

مصر کے مشہور عالم دین شیخ ابوزہرۃ صاحب رحمہ اللہ نے بھی اپنی تفسیر اور بعض دیگر تالیفات میں موالات کی قریب قریب یہی تشریح ذکر فرمائی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ جمہور اہلِ علم کا موقف ہی راجح ہے اور "موالات" اور "تولی" کو اس مفہوم میں منحصر سمجھنا غلط فہمی ہی ہے جس کی کچھ وجوہات درج ذیل ہیں:

۱۔ متعدد نصوص میں عام مسلمانوں کو مخاطب کرکے یہ حکم دیا گیا، اگر رازدان بنانے یا مسلمانوں کے خلاف تعاون وتناصر کی ہی ممانعت مقصود ہوتی تو عوام مسلمانوں کے بجائے اربابِ سلطنت اور ان لوگوں کو مخاطب بنانا چاہئے تھا جو اس باب میں اصحابِ اختیار سمجھے جاتے ہیں۔

۲۔ فہمِ سلف بجائے خود قابل ترجیح اور لائق اعتبار ہے اور اس رسالہ کی ابتدا میں متعدد مفسرین وفقہاء کرام کی عبارات ذکر کی جاچکی ہیں جنہوں نے ان آیات سے یہی معنی مراد لیا کہ کفار کے ساتھ دوستی اور محبت کا رشتہ رکھنا ممنوع ہے بلکہ اس کو

---

[1] مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان روابط، ص ۳۸

کبیرہ گناہوں کی فہرست میں سے شمار کیا گیا، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"موالاتِ کفار جو بنص قرآنی حرام ہے، اس سے مراد مودت وقرابت ہے مگر وہ قرابت ہے جس کا نص میں استثناء ہے"[1]

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ سے آیت کریمہ "يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ" کے متعلق سوال کیا گیا، اس کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

"جواب: اس آیت سے مراد یہ ہے کہ کافروں کو اپنا دوست مت بناؤ، یعنی کافروں سے دوستی اور محبت کرنا ناجائز اور حرام ہے۔"[2]

۳۔ بہت سے نصوص میں متعدد اسالیب کے ساتھ ایمان اور موالات کفار کے درمیان تقابل ظاہر فرمایا گیا، اس تقابل کا یہ بھی یہ تقاضا ہے کہ موالات کی ممانعت خود ایمان کا تقاضا ہے اور یہ تقاضا تب تک برقرار رہے گا جب تک کافر ایمان قبول نہ کرے۔

اس سے اس بات کی طرف بھی اشارہ ہو جاتا ہے کہ کفار کے ساتھ موالات وتولی کی ممانعت کی بنیادی علت کیا ہے؟ ان تک مسلمانوں کا خفیہ راز پہنچانا یا خود مسلمان کے ایمان واسلام ہی کا یہ تقاضا ہے کہ کفر سے نفرت کی جائے؟ نیز یہ

---

[1] فتاوی مظاہر علوم، ص ۲۴۹

[2] کفایت المفتی، ج ۱۳ ص ۱۲۳، ادارۃ الفاروق، کراچی

پہلو بھی راضح ہو جاتا ہے کہ موالات کی یہ ممانعت محض کوئی انتظامی اور سیاسی مسئلہ ہے یا شریعت کے دیگر احکام کی طرح کوئی شرعی حکم؟

۴۔ سورۃ مجادلۃ وغیرہ نصوص میں لفظ "مودت" کی بھی ممانعت کی گئی ہے جو محبت اور دوستی کے معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (٢٢)

۵۔ اسی طرح بعض نصوص میں موالات کا لفظ نہیں ہے بلکہ کفار کی طرف جھکنے سے ممانعت کی گئی ہے جس کے عموم میں دوستی اور محبت بھی شامل ہے۔

{وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ} [هود : ١١٣]

۶۔ متعدد نصوص میں یہ لفظ اس طور پر استعمال کیا گیا ہے جہاں موالات کا یہ معنی مراد لینا مشکل اور بالکل خلاف ظاہر ہے مثلاً شیطان کے متعلق ارشادِ خداوندی ہے:

{كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَى عَذَابِ السَّعِيرِ } [الحج : ٤]

فہرست مضامین